

جاسوسی دنیا

42- نیلی لکیر

43- تاریک سائے

44- سازش کا جال



جاسوسی دنیا نمبر 44

سازش کا جال

(مکمل ناول)

پیش رس

”سازش کا جال“ بھی جاسوسی دنیا کے شاہکاروں میں امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ لالچ، خود غرضی، انتقام، حرص آدمی کو کس قدر اندھا بنا دیتی ہے۔ اس کا اندازہ آپ کو ”سازش کے جال“ کے کرداروں سے ہوگا۔ اس میں ایک ایسی عورت بھی ہے جس سے آپ کو ہمدردی بھی ہوگی، جس پر غصہ بھی آئے گا، جھلاہٹ بھی ہوگی، آپ قہقہے لگائیں گے، نفرت کریں گے اور پھر اس کی تعریف کرنے پر بھی مجبور ہوں گے۔

”سازش کا جال“ کا مجرم انتہائی چالاک، سفاک مگر بے حد پھرتیلا ہے۔ وہ ایسے مجرموں میں سے ہے جن کے لئے کہا جاتا ہے۔

یہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

آپ کی الجھن ہر لمحہ بڑھتی رہے گی کہ بھورے بالوں والا، دستانے پہننے والا یہ آدمی کون ہے؟ دھڑکنیں ہر لمحہ بڑھتی جائیں گی اور عجیب و غریب مجرم سامنے آئے گا۔ تو آپ اچھل پڑیں گے۔

لڑکی کا بندل

آر لکچو کے ایک مخصوص یمن میں شہر کے دو بہت بڑے آدمی بیٹھے کسی کا انتظار کر رہے تھے۔ یہ دونوں بظاہر بڑے نہیں معلوم ہوتے تھے لیونہ ان کے جسموں پر اعلیٰ قسم کے سوٹ تھے اور چہروں سے بھی شرافت ہی ظاہر ہوتی تھی۔ لیکن اپنے سیاہ کارناموں سے یہ خود ہی واقف تھے۔ ان کے نام صندر اور شیکھر تھے۔ لیکن یہ نہ مسلمان تھے اور نہ ہندو۔ ان کا مسلک سیاہ کاری کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ لیکن ان بڑے آدمیوں میں ایک بہت ہی بڑی خصوصیت تھی یہ دونوں ایک دوسرے کے وفادار تھے۔ ایک دوسرے کو دھوکا دینا ان کی نظروں میں بدترین گناہ تھا۔

وہ دونوں اس وقت کچھ اس قسم کی گفتگو کر رہے تھے جیسے وہ اُس آدمی سے واقف نہ ہوں جس سے انہیں ملنا ہے۔ صندر نے بے بسی سے پہاؤ بہتے ہوئے کائی کی گھڑی دیکھی اور شیکھر سے بولا۔ ”کہیں کسی نے مذاق نہ کیا ہو؟“

”ناممکن نہیں ہے۔“ شیکھر نے سگریٹ کے جلنے سے ہرے کو گھور کر کہا۔ ”پھر بھی ہمیں دو چار منٹ اور انتظار کرنا پڑے گا۔“

صندر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ یمن کا پردہ بنا اور ایک آدمی یمن میں طس آیا۔ یہ ایک لمبے قد اور اچھے جسم کا آدمی تھا۔ خوش پوشی اور جامہ زیبی میں یکتا معلوم ہوتا تھا۔ چہرے پر بھورے رنگ کی کھنی داڑھی تھی اور آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک۔ ہاتھوں میں سفید دستانے تھے حالانکہ سردیوں کا زمانہ نہیں تھا لیکن اُس نے دستانے پہن رکھے تھے۔

وہ ان دونوں کی طرف دیکھ کر مسکرایا پھر آہستہ سے بولا۔ ”آپ لوگوں کو خط مل گیا تھا!“
دونوں کھڑے ہو گئے اور صندر بولا۔ ”خط ضرور مل گیا تھا لیکن اُس پر جیسے والے کا نام نہیں تھا۔“
”تشریف رکھئے۔۔۔۔۔!“ انہی نے صاف اور یقینی آواز میں کہا۔

وہ دونوں بیٹھ گئے۔ اجنبی بھی بیٹھتا ہوا بولا۔ ”کام بہت معمولی ہے اور معاوضہ معقول۔۔۔۔۔!“
صندر کچھ بولنے ہی والا تھا کہ شیکھر نے اُس کے پیر پر کھ دیا۔ صندر نے پھر ہونٹ بند

کر لئے۔ شیکھر چند لمحے اجنبی کو چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھتا رہا پھر بولا۔ ”کیسا کام اور کیسا معاوضہ۔ میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”آپ شیکھر اور صفدر صاحبان ہی ہیں نا....؟“ اجنبی نے مسکرا کر پوچھا۔
”ہمارے یہی نام ہیں۔“ شیکھر بولا۔

”تب پھر تکلف کی کیا ضرورت ہے۔“

”کوئی ضرورت نہیں۔“ شیکھر بھی جواباً مسکرایا۔ ”ہم لوگ دیر سے بھوکے ہیں۔ مگر ہمیں افسوس ہے کہ ہم اپنے میزبان کی شخصیت سے واقف نہیں۔“

”اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔ آپ کو صرف کام اور دام سے غرض دینی چاہئے۔“
شیکھر چند لمحے اُسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔ ”معاف کیجئے گا شاید آپ

ہمیں اُلو بنارہے ہیں۔“

”میں وقت کی بربادی پسند نہیں کرتا۔“ اجنبی کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔ ”تمہیں ایک لڑکی کا اغواء کرنا ہے۔“

”آپ ہوش میں ہیں یا نہیں۔“ شیکھر بگڑ کر بولا۔ ”شریفوں سے ایسی گفتگو نہیں کی جاتی۔“
”شریف....!“ اجنبی نے زہر خند کے ساتھ کہا۔ ”اس شہر میں تم جیسے سارے شریفوں کے نام مجھے زبانی یاد ہیں۔ مگر ٹھہرو ممکن ہے تم جیسے نیکو سرانجام رسانی کا کوئی آدمی سمجھ رہے ہو۔ اگر یہی ہے تو تمہیں مطمئن رہنا چاہئے۔“

شیکھر چند لمحے خاموش رہا پھر وہ آہستہ سے بولا۔ ”کام کیا ہے؟“

”ایک لڑکی کا اغواء.... جو ارجن پورے کی نروان بلڈنگ کے گیارہویں فلیٹ میں رہتی ہے۔“
”ارجن پورے میں رہتی ہے؟“ شیکھر نے آہستہ سے دہرایا۔

”ہاں....!“

”اچھا.... معاوضہ کیا ہوگا؟“ شیکھر نے پوچھا۔

”پانچ ہزار۔“

”کیا....؟“ شیکھر کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

”ہاں پورے پانچ ہزار....!“

”اگر ارجن پورے میں رہتی ہے تو یقیناً کسی غریب گھرانے کی ہوگی؟“ شیکھر نے کہا۔

”یہی بات ہے۔“ اجنبی نے سر ہلایا۔

”اگر غریب گھرانے کی ہے تو سود و سوروپے خرچ کرنے پر یونہی چلی آئے گی۔ اُس کے لئے پانچ ہزار کیوں؟“

”میں بحث نہیں کام چاہتا ہوں۔“ اجنبی جھنجھلا گیا۔

”یار تم نے افیون تو نہیں کھار کھی۔“ صفدر مضحکہ اڑانے والے انداز میں بولا۔ ”اگر تم ہم سے واقف ہو تو یہ بھی جانتے ہو گے کہ ہم لوگ کیسے آدمی ہیں۔“

”تمہاری رگ رگ سے واقف ہوں۔“

”اور اس کے باوجود بھی ہم پر دھونس جمانے کی کوشش کر رہے ہو؟“

”ہاں.... اور یہ اس لئے کہ میں جب چاہوں تمہیں چٹکیوں میں مسل سکتا ہوں۔“

شیکھر اور صفدر نے ایک دوسرے کی طرف حیرت سے دیکھا۔

اجنبی نے نوٹوں کا ایک پیکٹ نکال کر میز پر رکھ دیا اور پھر کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک لفافہ نکال کر اُسی کے قریب رکھتا ہوا بولا۔ ”ایک طرف یہ پانچ ہزار روپے ہیں اور دوسری طرف یہ لفافہ۔ ان دونوں میں سے کوئی ایک چیز پسند کر لو۔ کام تو بہر حال تمہیں ہی کرنا ہے۔“

”لفافے میں کیا ہے؟“ شیکھر نے پوچھا۔

”دیکھ لو۔“

شیکھر نے لفافہ کھول کر اُس میں سے کوئی چیز نکالی اور پھر وہ چیز لفافہ سمیت اُس کے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر آگری۔ شیکھر پھٹی پھٹی آنکھوں سے اجنبی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ صفدر نے جھک کر وہ تصویر اٹھالی جس نے شیکھر کے جسم پر لرزہ طاری کر دیا تھا اس تصویر کو دیکھتے ہی صفدر کی بھی وہی حالت ہو گئی۔

”دیکھا تم نے....؟“ اجنبی مسکرا کر بولا۔ ”تم دونوں اس تصویر میں جس آدمی کا گلا گھونٹ رہے ہو اُس کی لاش پچھلے ہفتے پولیس کو مل چکی ہے۔“

صفدر اور شیکھر خاموش رہے اور اجنبی پھر بولا۔ ”میرا کام تمہیں کرنا ہی پڑے گا۔ اگر خوشی سے کرو گے تو پانچ ہزار تمہارے ہیں.... ورنہ.... پھر زبردستی۔ اور تم یہ جاننے کی بالکل کوشش نہ کرو گے کہ میں کون ہوں سمجھے۔“



موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ ابھی گیارہ ہی بجے تھے لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے رات

زیادہ گزر گئی ہو۔

فریدی دو گھنٹے سے برآمدے میں بیٹھا بارش بند ہونے کا منتظر تھا۔ اُسے شاید کسی ضروری کام سے باہر جانا تھا۔

حمید بھی گھر پر موجود نہیں تھا۔ فریدی اُس وقت اُسی کے متعلق سوچ رہا تھا۔ اُسے حال ہی میں اطلاع ملی تھی کہ آج کل حمید ایک سیاہ فام عیسائی لڑکی کے ساتھ بہت زیادہ دیکھا جا رہا ہے۔ انکسٹر جگڈ لیشن نے اُس کے ”معیار“ کا مضحکہ بھی اڑایا تھا لیکن اُسے حمید نے ایک برجستہ قسم کے جواب سے خاموش کر دیا۔ اُس نے بتایا کہ وہ دراصل اُس لڑکی کی خالہ کے چکر میں ہے جو نہ صرف حسین بلکہ شادی شدہ بھی ہے۔

فریدی کے لئے اُس کی یہ حرکتیں نئی نہیں تھیں اور اب تو اُس نے اُسے ٹوکنہ بھی چھوڑ دیا تھا۔ مگر بعض اوقات جب وہ حد سے گزرنے لگتا تھا تو اُسے بولنا ہی پڑتا تھا۔ اس سیاہ عیسائی لڑکی کا معاملہ بھی اسی نوعیت کا تھا۔ وہ دراصل اُس کے محکمے کے ایک شعبے کے انچارج کی لڑکی تھی۔ حمید کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ وہ کون ہے۔ بس ایک غیر معمولی واقعے کے بعد وہ اُس کے گلے پڑ گئی۔ ہوا یہ کہ وہ ایک دن کسی تفریح گاہ میں حمید کو دکھائی دی اور حمید نے یونہی تفریحاً اُسے آنکھ ماردی۔ اس پر وہ کافی بھنائی۔ اُس دن سے حمید کا معمول ہو گیا کہ وہ جہاں بھی نظر آ جاتی اُسے آنکھ ضرور مارتا تھا۔ اُسی دوران میں محکمے کے ایک آفیسر کو الوداعی پارٹی دی گئی جس میں آفیسروں کے خاندان والے بھی مدعو تھے۔ وہ لڑکی بھی اپنے باپ کے ساتھ دعوت میں شریک ہوئی۔ حمید کو جب اُس کی اصلیت معلوم ہوئی تو اُس کی روح فنا ہونے لگی۔ اتفاق سے اُس کے باپ نے اُس کا تعارف فریدی سے کرادیا۔ حمید صاحب بھی ساتھ ہی تھے۔ جیسے ہی اُس کی نگاہ لڑکی سے چار ہوئی اُس کی بائیں آنکھ نے کھلنا اور بند ہونا شروع کر دیا۔ لڑکی غصے سے سرخ ہو گئی۔ اُس کے باپ کو تو جیسے سکتے ہو گیا اور فریدی کی حالت کا کیا پوچھنا۔ ایک رنگ آتا تھا اور ایک جاتا تھا۔۔۔ آخر اُس کا باپ پوچھ ہی بیٹھا۔

”میا عرض کروں۔“ حمید نے اپنی بائیں آنکھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے جواب دیا تھا۔ ”بچھلے پندرہ دنوں سے اس مصیبت میں مبتلا ہوں۔ پلکوں میں عجیب طرح کا تکلیف دہ کھینچاؤ ہوتا ہے۔ ڈاکٹر کہتے ہیں کہ رگیں سکڑ رہی ہیں۔ حکموں کا کہنا ہے کہ یہ ریاحی فساد ہے۔ علاج کر رہا ہوں مگر افاقہ اب تک نہیں ہوا۔ شرمندگی سے بچنے کے لئے سیاہ چشمہ لگائے رہتا ہوں مگر اتفاق سے اس وقت اُسے بھی گھر بھول آیا ہوں۔“

اُس کے باپ کو یقین آیا ہو یا نہ آیا ہو مگر اس تاویل پر لڑکی بے اختیار مسکرا پڑی تھی.... اور پھر دونوں میں دوستی ہو گئی۔

بہر حال یہ واقعہ فریدی کے لئے ایک مستقل درد سر کی سی کیفیت رکھتا تھا۔ اُس نے کئی بار حمید کو اس حرکت سے باز رکھنا چاہا مگر کون سنتا ہے۔ اس وقت بھی وہ اُسی کے متعلق سوچ رہا تھا۔

فی الحال بارش رکنے کے آثار نظر نہیں آرہے تھے۔ آخر کار فریدی نے باہر جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

پھر وہ اندر جانے کے لئے اٹھ ہی رہا تھا کہ بارش کے شور کے باوجود بھی اُسے پھانک کے قریب کسی قسم کی آواز محسوس ہوئی اور ساتھ ہی کتے خانے میں کتوں نے آسمان سر پر اٹھالیا.... کمپاؤنڈ میں اندھیرا تھا اور حمید کے انتظار میں ابھی تک پھانک بھی نہیں بند کیا گیا تھا۔ فریدی نے جھپٹ کر برآمدے کی روشنی بجھا دی۔ آنے والا حمید نہیں ہو سکتا تھا ورنہ کتے کیوں بھونکتے۔ اگر کوئی شناسا ہوتا تو اُس نے فریدی کے اس طرح روشنی گل کر دینے پر احتجاج ضرور کیا ہوتا۔

اچانک فریدی کو ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی پھسل کر گرا ہو۔ ساتھ ہی ایک ہلکی سی کراہ بھی سنائی دی۔ پھر کسی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”مد...مد“ فریدی نے برآمدہ پھر روشن کر دیا۔ پورچ کا بلب روشن ہوتے ہی اُسے زمین پر بھیکے ہوئے کپڑوں کا ایک متحرک ڈھیر نظر آیا۔

”بجھا دیجئے.... بجھا دیجئے۔“ ڈھیر سے آواز آئی۔

”تم کون ہو؟“ فریدی نے پورچ میں اترتے ہوئے پوچھا۔

”میں خطرے میں ہوں آہ.... بجھا دیجئے۔“ بولنے والے کی آواز بڑی دردناک تھی۔

”سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔“ فریدی نے تحکمانہ انداز میں کہا۔

کپڑوں کا ڈھیر بدستور کانپتا رہا اور پھر اچانک فریدی نے اسے دو حصوں میں تقسیم ہوتے دیکھا۔ بارش شباب پر تھی بلکہ اس دوران میں اس کا زور پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گیا تھا۔

یہ ایک کوئی تیز رفتار چیز فریدی کے داہنے شانے کو چھوتی ہوئی نکل گئی اور برآمدے کی دیوار کا بہت سا پلاسٹر آواز کے ساتھ اُدھر کر رہ گیا۔

فریدی نے اچھل کر پورچ کے ایک ستون کی آڑ لے لی۔ کمپاؤنڈ کے باہر سے دوسرا فائر ہوا

اور اس بار بھی برآمدے کی دیوار کا پلاسٹر اُدھر گیا۔

کتے اور تیزی سے بھونکنے لگے۔ فریدی بُرا سامنہ بنائے پورچ کے ستون سے چپکا ہوا تھا اور اب وہاں سے ہٹنا درحقیقت موت کو دعوت دینا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں کوئی نوکر سامنے نہ آجائے۔ فی الحال وہ اُس ڈھیر کو بھی بھول گیا تھا جسے اُس نے خود بخود دو حصوں میں تقسیم ہوتے دیکھا تھا۔

اُس نے چاروں طرف تیز اور متجسس نظر ڈالی۔ اُسے اپنے قریب کوئی ایسی چیز پڑی نہ دکھائی دی جس سے وہ بجلی کے بلب کو توڑ کر برآمدے میں اندھیرا کر سکتا۔ دو منٹ گزر گئے لیکن پھر تیسرا فائر نہیں ہوا۔

اب اُسے اُن ڈھیروں کا خیال آیا۔ لیکن اب اُن میں سے ایک یا تو غائب ہو چکا تھا یا پھر اپنی جگہ پر پہنچ گیا تھا۔

کتوں کی آوازیں آہستہ آہستہ دہتی جا رہی تھیں پھر شاید دو یا تین بھونکتے رہ گئے۔ بارش کے زور کا وہی عالم تھا۔ فریدی اب ستون کی اوٹ سے ہٹنے کے متعلق سوچ ہی رہا تھا کہ پھانگ میں کسی کار کی ہیڈ لائٹس دکھائی دیں۔ کار آہستہ آہستہ پورچ کی طرف بڑھتی آرہی تھی۔ فریدی نے کار پہچان لی۔ یہ اُسی کی کیدی لاک تھی۔ وہ یلکھت سامنے آگیا۔

اگر وہ ایسا نہ کرتا تو شاید حمید اُس ڈھیر کو پکڑ کر ہی رکھ دیتا۔ جواب بھی پورچ میں بے حس و حرکت پڑا تھا۔ حمید نے کیدی پورچ کے باہر ہی روک دی۔

”کیا بات ہے؟“ حمید چیخ کر بولا۔ ”میں بھگ جاؤں گا۔“

فریدی کوئی جواب دیے بغیر ڈھیر پر جھک گیا۔ ڈھیر میں پھر کپکپاہٹ پیدا ہو چکی تھی۔

”یہ کیا بلا ہے؟“ حمید نے پوچھا جو فریدی کے قریب پہنچ کر اپنے بالوں سے پانی جھٹک رہا تھا۔

”تم کہاں تھے؟“ فریدی نے اُسے گھورتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر پوچھا۔

جواب دینے سے قبل حمید نے بُرا سامنہ بنایا لیکن فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”تم یہیں ٹھہرو۔“

اور پھر حمید نے اُسے باہر کی طرف جاتے دیکھا۔

بارش کا اب بھی وہی حال تھا۔ حمید کبھی بوکھلا کر کیاؤنڈ میں پھیلی ہوئی تاریکی میں آنکھیں پھاڑتا اور کبھی زمین پر پڑے ہوئے کپڑوں کے ڈھیر کو گھورنے لگتا۔

دفعتاً ایک بار پھر کپڑوں کے ڈھیر میں جنبش ہوئی اور ایک خوبصورت سا نرم و نازک ہاتھ

باہر نکل آیا۔

”ارے باپ رے۔“ حمید بے اختیار اپنا پیٹ پکڑ کر بولا اور پھر وہ بے تحاشہ زمین پر دو زانو بیٹھ گیا۔

یہ ایک بہت بڑی گٹھڑی تھی جس سے ایک خوبصورت سا انسانی ہاتھ نکل کر زمین پر ٹک گیا تھا۔ حمید نے بڑی پھرتی سے اُس کی تمام گرہیں کھول ڈالیں اور ایک بار پھر بدحواسی میں اُس کے منہ سے ”ارے باپ رے“ نکل گیا۔

وہ ایک انتہائی حسین چہرہ تھا۔ ایک نوجوان لڑکی کا چہرہ جو آنکھیں بند کیے گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔ بالوں کی دو تین بھیگی ہوئی لٹیں اُس کے گداز رخساروں سے چپکی ہوئی تھیں۔ لباس معمولی اور بھیگا ہوا تھا۔ جس کپڑے میں وہ لیٹی ہوئی تھی حمید کو اُس میں خون کا ایک بڑا سا دھبہ دکھائی دیا۔ اُس کی بو کھلاہٹ اور زیادہ بڑھ گئی اور وہ نوکروں کے نام لے لے کر چیخنے لگا۔ اُس کی اس چیخ دھاڑ پر دونوکر بھاگتے ہوئے کوٹھی سے باہر آئے۔ سب سے پہلے ان کی نظریں بے ہوش لڑکی پر پڑیں اور وہ برآمدے میں ٹھٹھک کر رہ گئے۔

”ابے آگے آؤ.... کیا دیکھتے ہو.... مردود۔“ حمید حلق کے بل چیخا۔

نوکر ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکرائے اور پھر چپ چاپ برآمدے سے اتر کر پورچ میں آگئے۔

”اے اٹھا کر.... وہاں.... لے چلو۔“

”کہاں سرکار....؟“

”سرکار کے بچو جلدی کرو۔“

”مگر ہم کیسے اٹھائیں؟“ ایک نوکر بولا اور اُس کی نظر بھی چادر پر پڑے ہوئے خون کے دھبے پر جم گئی اور پھر وہ یک بیک سنجیدہ ہو گیا لیکن اب وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر حمید کو دیکھ رہا تھا۔ ”الگ ہٹو....!“ حمید نے اُسے دوسرے نوکر پر دھکیلتے ہوئے کہا اور خود ہی بے ہوش لڑکی اٹھانے کے لئے جھک پڑا۔

اور پھر جب وہ اُسے ہاتھوں پر اٹھائے ہوئے برآمدے میں داخل ہو رہا تھا تو اُسے سامنے والی دیوار کا ادھر ادا پلاسٹر دکھائی دیا۔ وہ ایک جھٹکے کے ساتھ رک گیا۔

نوکروں نے بھی ادھر سے ہوئے پلاسٹر کو حیرت سے دیکھا۔

”یہ کیا ہوا....؟“ حمید نے انہیں تیز نظروں سے گھورتے ہوئے پوچھا۔

”پتہ نہیں صاحب۔“ دونوں بیک وقت بولے۔ ”ایک گھنٹہ پہلے تو ایسا نہیں تھا۔“

”اچھا! تم دونوں یہیں ٹھہرو۔“ حمید نے کہا اور اندر داخل ہو گیا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اُس بے ہوش لڑکی کو کہاں لے جائے۔ اُسے پھر چادر والے خون کے دھبے کا خیال آیا اور اُس کا ذہن برآمدے کے ادھر بڑے ہوئے پلاسٹر میں الجھ گیا۔ دیوار کے دوسو رانج.... کیا کسی نے گولی چلائی تھی۔ کہیں یہ لڑکی زخمی تو نہیں۔

حمید نے اُسے بے تحاشہ ایک کمرے کے فرش پر ڈال دیا۔
بارش کا زور اب کم ہو چلا تھا۔

حمید نے بے ہوش لڑکی کا اچھی طرح جائزہ لیا لیکن اُسے کہیں بھی کوئی زخم نہ دکھائی دیا۔ البتہ اُس کے بھیگے ہوئے کپڑوں پر دو ایک جگہ خون کے چھوٹے چھوٹے دھبے ضرور نظر آئے۔ وہ لڑکی کے قریب سے ہٹ کر فریدی کا انتظار کرنے لگا۔
لڑکی نے کراہ کر روٹی لی لیکن اُس کی آنکھیں بدستور بند تھیں۔ حمید کا ذہن نہ جانے کہاں کہاں بھٹک رہا تھا۔ اُس نے اس دوران میں فریدی کے متعلق بہت کچھ سوچ ڈالا تھا۔
لڑکی اب بھی فرش ہی پر پڑی ہوئی تھی۔

حمید چونک پڑا۔ فریدی اُسے آواز دے رہا تھا۔ حمید کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ جواب دینے کی بجائے بے ہوش لڑکی کے سر ہانے اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ راہداری میں قدموں کی آواز سنائی دی اور حمید کے چہرے پر کچھ اس قسم کی از خود رنگی طاری ہو گئی جیسے وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو۔

فریدی کے کپڑے بالکل بھیگ گئے تھے اور اُن سے پانی ٹپک رہا تھا۔ لڑکی پر نظر پڑتے ہی وہ چونک پڑا۔ کبھی وہ حمید کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی بے ہوش لڑکی کی طرف۔
”مم.... مگر....!“ وہ ہکھلایا۔ ”وہ تو کسی مرد کی آواز تھی۔“

حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ چند لمحے وہ اپنا اوپری ہونٹ بھیجنے فریدی کو گھورتا رہا پھر تلخی ہنسی کے ساتھ بولا۔ ”اگر موقع ملتا تو اُس کے داڑھی بھی اُگ آتی۔“
”کیا بکواس کر رہے ہو۔“

”بکواس! ارے میں تو خدا کا شکر ادا کر رہا ہوں کہ اس سکستان اور سانپستان میں عورت تو دکھائی دی.... ہا ہا.... ہو گئی رے.... میں تو ہو گئی۔“

حمید نے ایک ہاتھ سر پر رکھا اور دوسرا کمر پر رکھتا ہوا ٹھٹھک ٹھٹھک کر ناپنے لگا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ گاتا بھی جا رہا تھا۔ ”ہو گئی رے! میں تو ہو گئی۔“

فریدی پر جھلاہٹ کا دورہ پڑا اور اُس نے آگے بڑھ کر حمید کا منہ دبا دیا۔ وہ شاید حمید کو بُری طرح رگڑ دیتا مگر اچانک اُسے شور سنائی دیا۔ یہ نوکروں کی آوازیں تھیں اور عمارت کے اندر ہی گونج رہی تھیں۔

پُر اسرار گمنام

شور سن کر حمید بھی سنجیدہ ہو گیا۔

پھر وہ دونوں کمرے سے نکل ہی رہے تھے کہ ایک دوڑتا ہوا نوکر اُن سے آکر آیا۔

”کیا ہے؟“ حمید جھلا کر اُسے دھکیلتا ہوا غرایا۔

”جچ.... چور....!“ نوکر چند قدم پیچھے ہٹ کر ہانپتا ہوا بولا۔

”چلو.... آگے بڑھو۔“ حمید نے اُسے دھکا دیا۔

”پکڑ لیا ہے۔“ نوکر نے گھٹی گھٹی سی آواز میں کہا۔

وہ انہیں برآمدے میں لایا۔ جہاں دو تین نوکر ایک آدمی پر لاتوں اور گھونسوں کی بارش کر رہے تھے۔

”یہ کیا ہو رہا ہے.... الگ ہو۔“ فریدی نے اُسے ڈانٹا۔

”اندر گھس رہا تھا صاحب۔“ ایک نے جواب دیا۔ وہ سب الگ تو ہٹ گئے تھے مگر اُن کی

نظریں اب بھی اپنے شکار پر تھیں۔ یہ ایک بوڑھا مگر اچھے تن و توش کا آدمی تھا۔ اس کے کپڑے

کیچڑ اور پانی سے لت پت ہو رہے تھے۔ داہنے بازو سے خون بہہ رہا تھا۔ پوری آستین سرخ تھی۔

اُس نے بدقت تمام اپنا سر اٹھایا۔ چہرہ خون اور کیچڑ کی وجہ سے بڑا خوفناک نظر آ رہا تھا۔ آنکھیں

انگوروں کی طرح دھب رہی تھیں اور اُس کے جسم پر ریشہ طاری تھا۔

”مم.... چور.... نن.... نہیں۔“ وہ کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔

”کیا کچھ دیر پہلے تم ہی تھے؟“ فریدی نے نرم لہجے میں پوچھا۔

بوڑھے نے ایک جھٹکے کے ساتھ سر کو اثبات میں جنبش دی۔ پھر وہ دونوں ہاتھ ٹیک کر

فرش سے اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔

”اُسے اٹھاؤ۔“ فریدی نے نوکروں سے کہا پھر حمید سے بولا۔ ”تم اندر آ جاؤ۔ لڑکی کو کسی

مناسب جگہ پر ڈال دو۔“

”اُسے کہیں چوٹ تو نہیں آئی؟“ بوڑھے نے بے صبری سے کہا جو اب نوکروں کے سہارے کھڑا ہو چکا تھا۔

فریدی نے جواب طلب نظروں سے حمید کی طرف دیکھا۔

”نہیں..... لیکن وہ بے ہوش ہے۔“ حمید آہستہ سے بولا۔ اب وہ قطعی سنجیدہ ہو گیا تھا۔

”کیا تمہارے گولی لگی ہے؟“ فریدی نے بوڑھے سے پوچھا۔

”جی ہاں.....!“ بوڑھا اپنے دانے بازو پر ہاتھ رکھ کر زور سے کراہا۔

”چلو..... اسے اندر لے چلو۔“ فریدی نے نوکر سے کہا۔

وہ اُسے اندر لائے اور پھر اُسے ایک آرام کرسی پر ڈال دیا گیا۔

فریدی نے ایک نوکر سے فرسٹ ایڈ بکس لانے کو کہا اور بوڑھے کا زخمی بازو دیکھنے لگا۔ حمید

وہاں موجود نہیں تھا۔ شاید وہ لڑکی کے لئے انتظامات میں مصروف ہو گیا تھا۔

بوڑھے کا زخم زیادہ مندوش نہیں تھا۔ گولی بازو کی اوپری جلد پھاڑتی ہوئی دوسری طرف نکل

گئی تھی۔ ہڈی بالکل محفوظ تھی۔ فریدی نے زخم صاف کر کے بینڈیج کر دی۔ اس دوران میں

بوڑھے پر غشی طاری ہو گئی تھی۔

اس کے بعد وہ لڑکی کی طرف متوجہ ہوا۔ جسے حمید نے بھیکے ہوئے کپڑوں سمیت ایک

صوفے پر ڈال دیا تھا۔

”کیا یہ ابھی تک ہوش میں نہیں آئی؟“ فریدی نے لڑکی کی طرف تشویش آمیز نظروں

سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”آہم.....!“ حمید انگڑائی لیتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ ”اس کے بھیکے

ہوئے کپڑوں کا.....!“

”شش شش!“ حمید جلدی سے بولا۔ ”میں نے اپنی بیوی کو تار دیا ہے۔ وہ آکر کپڑے

تبدیل کرادے گی۔“

”دماغ مت چاٹو۔“

”اس ڈرامے میں مجھے مسخرے ہی کا رول ادا کرنے دیجئے۔“

”کیا مطلب.....؟“

”یہ لڑکی یقیناً مصیبت زدہ ہے۔“ حمید مضحکہ اڑانے والے انداز میں بولا۔ ”غالباً یور ہارڈ

شپ کے زیر سایہ کچھ دن ضرور قیام کرے گی۔ بوڑھا کوئی پُر اسرار داستان ضرور دہرائے گا۔ میرے سرکار آخر اتنے پاپڑ بیٹنے کی کیا ضرورت تھی۔ صاف صاف کہہ دیا ہوتا کہ اب اصولوں کی گاڑی آگے نہیں بڑھ رہی.... بابا... مانتا ہوں۔“

”جو اس مت کرو.... لیبارٹری سے دواؤں کا بیگ لاؤ۔“
 ”وہ کسی اور سے منگو لیجئے۔ میں تو بینڈ والوں کی تلاش میں جا رہا تھا۔“
 ”حمید میں گھونٹہ مار دوں گا۔“

”ابھی نہیں ذرا.... اس قتالہ عالم کو ہوش میں آجانے دیجئے۔“ حمید نے کہا اور کمرے سے چلا گیا۔

فریدی نے لڑکی کی نبض دیکھی اور ناک کے سامنے ہاتھ اکر تنفس کی رفتار کا اندازہ کرتا رہا۔
 ”اوہ.... یہ ابھی....!“ کسی نے اُس کی پشت سے کہا۔
 فریدی چونک کر مڑا۔ زخمی بوڑھا دروازے میں کھڑا ہانپ رہا تھا اور دونو کمرے سے سہارا دیئے ہوئے تھے۔

”بیٹھ جاؤ۔“ فریدی نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔
 نوکروں نے اُسے بیٹھنے میں مدد دی۔ مگر اُن کے چہرے سے استعجاب ظاہر ہو رہا تھا۔ کبھی وہ بوڑھے کی طرف دیکھتے تھے اور کبھی زخمی لڑکی کی طرف۔
 ”کیا یہ تمہاری لڑکی ہے؟“ فریدی نے پوچھا۔
 بوڑھے نے فوراً جواب نہیں دیا۔ اُس کے چہرے پر ہچکچاہٹ کے آثار تھے۔ آخر اُس نے گلا صاف کر کے آہستہ سے کہا۔ ”یہی سمجھ لیجئے۔“
 اتنے میں حمید دواؤں کا بکس لے کر واپس آگیا۔
 ”یعنی.... یہ تمہاری لڑکی نہیں ہے؟“ فریدی نے دواؤں کے بکس کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

”جی نہیں.... یہ ایک امانت ہے۔“
 حمید معنی خیز انداز میں کھٹکھٹا کر اپنی گردن مسلتے لگا۔
 ”امانت سے تمہاری کیا مراد ہے؟“ فریدی نے پوچھا۔ وہ دواؤں کا بکس کھول کر ہاپوڈرمک سرخ منتخب کر رہا تھا۔

”ممکن ہے آپ یقین نہ کریں کہ“ بوڑھا کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

”فکر نہ کرو۔“ حمید سینے پر ہاتھ مار کر بولا۔ ”میں یقین کرنے کے لئے ابھی زندہ ہوں۔۔۔“

چالو شروع ہو جاؤ۔“

فریدی نے اُسے گھور کر دیکھا اور پھر نوکروں سے جھلائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”بس اب جاؤ۔“
نوکر چپ چاپ چلے گئے۔ مگر اُن کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ وہاں ٹھہرنا

چاہتے ہوں۔

”میں ایک ریٹائرڈ فوجی ہوں۔“ بوڑھا نحیف آواز میں بولا۔ ”میرے آگے پیچھے اور کوئی

نہیں۔ ذریعہ معاش یہاں کے اکثر بڑے لوگوں کو شکار کھانا ہے۔“

”میں بھی بڑا آدمی ہوں۔“ حمید جلدی سے بولا۔ ”میرے لئے بھی شکار کا بندوبست کر دو۔“

”خاموش رہو۔“ فریدی بگڑ گیا۔

حمید نے لا پرواہی سے اپنے شانوں کو جنبش دی اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

”میں تم سے اس لڑکی کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔“ فریدی نے بوڑھے سے کہا پھر جلدی

سے بولا۔ ”کیا تم اُن لوگوں سے واقف ہو جنہوں نے فائر کیے تھے؟“

”جی نہیں۔۔۔ میں نہیں جانتا کہ وہ کون تھے لیکن آج انہوں نے اس لڑکی کو اٹھالے جانے

کی کوشش کی تھی لیکن میں نے انہیں کامیاب نہ ہونے دیا۔“

”تو کیا تم جان بوجھ کر یہاں آئے تھے؟“

”جی ہاں۔۔۔ دیکھئے میں شروع سے بتاتا ہوں۔ آج سے دو ماہ قبل کی بات ہے مجھے ایک گم

نام آدمی کا خط ملا جس نے ایک مخصوص دن ایک مخصوص مقام پر مجھ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی

تھی۔ خط بہت ہی کاروباری انداز کا تھا۔ میں اُس سے ملا اور اُس نے ایک خدمت میرے سپرد

کرنے کے اُس کا معاوضہ پانچ ہزار کے نوٹوں کی شکل میں ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ وہ خدمت یہ تھی کہ

میں اس لڑکی کو اپنے ساتھ رکھ کر اُس کی حفاظت کروں۔“

”خوب۔۔۔ کیا یہ اُس نامعلوم آدمی کی لڑکی ہے؟“ فریدی نے پوچھا۔

”مجھے اس کا علم نہیں۔“

”لڑکی کیا کہتی ہے؟“

”میں نے آج تک اس کی آواز ہی نہیں سنی۔“ بوڑھے نے کہا اور حمید ہنسنے لگا۔ پھر اُس نے

دیوار کو مخاطب کر کے کہا۔ ”میں اُلو نہیں ہوں۔“

”ہو سکتا ہے کہ وہ آدمی اسے کہیں سے اغوا کر کے لایا ہو۔“ فریدی نے کہا۔

”جادو وہ جو سر پر چڑھ کر بولے۔“ حمید دیوار کو گھونسنہ دکھا کر بولا۔

فریدی نے اُس کا کوئی نوٹس ہی نہ لیا۔ وہ بوڑھے کی طرف جواب طلب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

”دیکھئے!“ بوڑھے نے کہا۔ ”پہلے میں بھی یہی سمجھا تھا مگر جب آپ کا نام درمیان میں لایا گیا۔“

”میرا نام....؟“ فریدی چونک کر اُسے گھورنے لگا۔

”جی ہاں.... دیکھئے میں شروع سے عرض کرتا ہوں۔“

”تم بہت دیر سے شروع سے عرض کر رہے ہو۔“ حمید جلدی سے بولا۔ ”جو کچھ رانا تھا بھول

گئے کیا....؟“

”معاف کیجئے گا۔“ بوڑھا جھنجھلا کر بولا۔ ”اگر یہ گولی آپ کے بازو پر لگی ہوتی تو مزاج

پوچھتا۔ ویسے آپ کی عمروں میں میں بھی بہت منچلا تھا۔ بڑھاپا سارے کس بل نکال دیتا ہے۔“

”جاؤ....!“ فریدی حمید کو قہر آلود نظروں سے گھور کر بولا۔ ”چلے جاؤ۔“

حمید کو بھی غصہ آگیا اور وہ بھنبھناتا ہوا کمرے سے چلا گیا۔

”میرا نام درمیان میں کیسے لایا گیا تھا....؟“ فریدی نے پوچھا۔

”اُس نے کہا تھا کہ اگر لڑکی کو کوئی خطرہ درپیش ہو تو اُسے کرئل فریدی کے سپرد کر دینا۔“

”ہوں....!“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”وہ آدمی کہاں رہتا ہے؟“

”اُس نے یہ سب کچھ نہیں بتلایا۔ مجھے مطمئن کر دینے کے لئے آپ کا نام ہی کافی تھا۔ وہ مجھ

سے صرف دو ہی بار ملا تھا۔ ایک بار اُس وقت جب اُس نے معاملات طے کئے تھے اور دوسری بار

اُس وقت جب لڑکی کو میرے پاس لایا تھا۔ اُس نے کہا تھا کہ خود اُسے بھی کئی طہرج کے خطرات

گھیرے ہوئے ہیں اس لئے وہ بھی اپنے یا لڑکی کے متعلق کچھ نہیں بتا سکتا۔ اُس نے یہ بھی کہا تھا

کہ اگر میں چھ ماہ تک واپس نہ آؤں تو کوئی تشویش کی بات نہیں۔ صرف خطرے کی صورت میں

لڑکی کو آپ کے پاس پہنچا دیا جائے اور جب خطرات حد سے زیادہ بڑھ جائیں تو کسی مناسب آدمی

سے اس کی شادی کر دی جائے۔“

”کیا....؟“ فریدی کے لہجے میں حیرت تھی۔

”جی ہاں.... یہ بات میرے لئے بھی حیرت ناک تھی۔“

فریدی کسی سوچ میں پڑ گیا پھر تھوڑی دیر بعد اُس نے پوچھا۔ ”تم رہتے کہاں ہو؟“

”ارجن پورے میں.... نروان بلڈنگ کا گیارہواں فلیٹ۔“

”لڑکی دو ماہ سے تمہارے ساتھ ہے؟“

”جی ہاں۔“

”اور اُس نے کبھی تم سے گفتگو نہیں کی؟“

”جی نہیں.... وہ صرف اشاروں میں گفتگو کرتی ہے۔ میں نے آج تک اُس کی آواز ہی

نہیں سنی۔“

”اُس نے تمہارے ساتھ رہنے پر کبھی احتجاج بھی نہیں کیا....؟“

”کبھی نہیں۔“

”اُس آدمی کو تو یاد ہی کرتی ہو گی؟“

”کبھی کبھی اشاروں میں اُس کے متعلق دریافت کرتی ہے۔“

”اچھا! آج حملہ آور کتنے تھے؟“

”دو آدمی تھے۔ مجھے اُن سے باقاعدہ جنگ کرنی پڑی اور میں زخمی ہو گیا۔“

”تم انہیں دوبارہ ملنے پر پہچان سکو گے؟“

”جی نہیں.... انہوں نے اپنے چہرے چھپا رکھے تھے۔“

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر پوچھا۔ ”اُس آدمی کا حلیہ بتا سکو گے جس نے لڑکی تمہارے

سپر دکی تھی۔“

”جی ہاں! خاصا نحیم نحیم آدمی تھا۔“ بوڑھے نے کہا۔ ”چہرے پر بھورے رنگ کی داڑھی

تھی۔ لباس انگریزی اور ہاں اُس نے دستانے بھی پہن رکھے تھے حالانکہ وہ گرمیوں کے دن تھے۔

دوسری ملاقات کے موقع پر بھی میں نے اُس کے ہاتھوں میں دستانے دیکھے تھے۔“



صفر اور شیکھر ایک شکستہ حال جیپ سے اتر کر سڑک کے کنارے کھڑے ہو گئے۔ بارش

تھم چکی تھی لیکن گلیوں سے اب بھی پانی بہنے کی تیز آوازیں آرہی تھیں۔ قرب وجوار کی عمارتوں

کے پرٹالے اب بھی چل رہے تھے۔

وہ دونوں سامنے والی عمارت کی طرف دیکھ رہے تھے۔ دفعتاً اُسی عمارت کی ایک تاریک

کھڑکی میں سرخ رنگ کی روشنی دکھائی دی اور پھر غائب ہو گئی۔

وہ دونوں بڑی تیزی سے سڑک پار کر کے عمارت کے قریب پہنچ گئے۔ عمارت پانچ منزلہ

تھی اور اُس میں لفٹ بھی لگی ہوئی تھی لیکن انہوں نے لفٹ کی طرف جانے کی بجائے زینوں کا

رخ کیا۔ زینے سنسان پڑے تھے۔

ابھی وہ تیسری ہی منزل کے زینے پر تھے کہ انہوں نے قدموں کی آواز سنی۔ کوئی اوپر سے نیچے آ رہا تھا۔ وہ دونوں اس کی پرواہ کیے بغیر زینے طے کرتے رہے اور پھر چوتھی منزل کے زینے کے موڑ پر انہیں وہی پراسرار آدمی مل گیا جس سے انہیں ملنا تھا۔

اُس نے اس وقت بھی اپنے ہاتھوں پر دستاں چڑھا رکھے تھے۔

”کیا ہوا....؟“ اُس نے ان دونوں کو گھور کر پوچھا۔

”ہوا کیا....؟“ شیکھر نے لا پرواہی سے کہا۔ ”جو کچھ بھی ہو اُس کی ذمہ داری صرف آپ

پر ہے۔“

”کیا مطلب....؟“

”آپ نے ہمیں یہ نہیں بتایا تھا کہ اُس لڑکی کا باپ کس قسم کا آدمی ہے۔“

”اوہو! اگر اتنی جھنجھٹ کرنی ہوتی تو میں شیکھر اور صدر کی بجائے کسی معمولی غنڈے کو

پکڑتا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم جیسے لوگ بھی انگلیاں پکڑ کر چلتے ہیں۔ خیر چھوڑو.... لڑکی

کہاں ہے۔“

”ہم اُسے نہیں لاسکے۔“

”ہوش میں ہو یا نہیں؟“ گم نام آدمی پھر گیا۔

”بوڑھا خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے۔ اُس نے ہمیں تھکا مارا.... اور اب وہ اُس لڑکی

سمیت کرئل فریدی کی حفاظت میں ہے۔“

”کیا یک رہے ہو؟“

”جناب والا....!“ شیکھر طنزیہ انداز میں بولا۔ ”اگر آپ بڑے تمیں مار خاں ہیں تو آپ

نے خود ہی اس کام کو کیوں نہیں بنادیا۔“

”بکواس بند کرو۔ بد تمیز آدمی مجھے پسند نہیں۔ تمہیں اُسے فریدی کے یہاں سے نکالنا ہی

پڑے گا۔“

”سانپ کے منہ میں ہاتھ دے سکتے ہیں۔“ صدر بولا۔ ”لیکن ہم اُس سے نہیں بھڑیں گے۔“

”تو پھر تمہارا انجام بھی دردناک ہو گا۔“

”پہلے سارا معاملہ ہمیں سمجھا دیجئے پھر ہم ہاتھ لگائیں گے۔“ شیکھر نے کہا۔

”معلوم ہوتا ہے مجھے اپنی قوت دکھانی ہی پڑے گی۔“ گم نام آدمی بڑبڑایا۔

”ضرور.... ضرور....!“ صفدر طنزیہ انداز میں ہنس کر بولا۔

صفدر کا ہاتھ پتلون کی جیب میں تھا اور وہ جیب میں پڑا ہوا چاقو کھول چکا تھا۔
گمنام آدمی گفتگو تو شیکھر سے کر رہا تھا لیکن کبھی کبھی صفدر کی طرف دیکھ لیتا تھا۔
”کل رات تک کی مہلت اور دیتا ہوں سمجھے۔“ گمنام آدمی نے تیز لہجے میں کہا۔
صفدر نے بڑی پھرتی سے وار کیا۔ لیکن اُس کے ساتھی نے خود اُسی کی چیخ سنی۔ دس پندرہ
زینے اُس نے آن واحد میں طے کر لیے۔

گمنام آدمی اپنے ہاتھ جھاڑ رہا تھا۔

”اب تم کیا کہتے ہو؟“ اُس نے شیکھر سے کہا۔ ”کیا تمہیں بھی کچھ چاہئے؟“

شیکھر بت بنا کھڑا رہا۔ اُس کا ساتھی دوسری منزل کے زینوں کے موڑ پر اوندھا پڑا تھا۔
”تم شاید مجھے کوئی گیدڑ قسم کا بُرا آدمی سمجھتے ہو۔“ گمنام نے ہنس کر کہا۔ ”میرا شکریہ ادا کرو
کہ وہی چاقو خود اُسی کے سینے میں نہیں پیوست ہو گیا۔“

”اچھا ہوا....!“ شیکھر ہکلا یا۔ ”اُسے سزا مل گئی۔“

”اوہو....!“ گمنام ہنس پڑا۔ ”اب شاید تم اپنا حربہ آزماؤ گے؟“

”نہیں.... آپ غلط....!“

”بکواس مت کرو۔ تم دونوں نے مل کر یہ اسکیم بنائی تھی۔ محض اس لئے کہ میں آئندہ
تمہیں بلیک میل نہ کر سکوں۔ چلو میں اب بھی تمہیں معاف کیے دیتا ہوں لیکن کل رات تک
لڑکی پہنچ جائے۔“

”دیکھئے یہ بہت مشکل کام ہے....!“ شیکھر نے کہا۔ وہ بار بار صفدر کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”میں کچھ نہیں جانتا۔ تمہاری زندگیوں کا دار و مدار اسی پر ہے۔“

صفدر کراہ کراٹھ بیٹھا۔ اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے اوپر دیکھنے لگا۔

”اب تم چاقو پھینک کر مارو۔“ گمنام نے اُسے مخاطب کیا۔

صفدر کچھ نہ بولا۔ وہ جہاں تھا وہیں چپ چاپ بیٹھا رہا۔

”اچھا آپ ہی کوئی تدبیر بتائیے۔“ شیکھر جلدی سے بولا۔ ”شاید وہ صفدر کی طرف سے اُس

کا دھیان ہٹانا چاہتا تھا۔“

”تدبیر....!“ وہ کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد بولا۔ ”نقب لگاؤ۔“

”قطعی ناممکن ہے۔ درجن بھر کتے رات بھر عمارت کے گرد چکر لگاتے رہتے ہیں۔“

”لڑکی تمہیں لانی ہی پڑے گی۔ وہ تمہاری ہی لاپرواہی کی وجہ سے فریدی تک پہنچی ہے۔“
 ”ہم نے انتہائی کوشش کی تھی۔ آپ کو کس طرح یقین دلایا جائے۔“
 ”کیا تم اُس بوڑھے کا خاتمہ نہیں کر سکتے۔“

”اوہ.... میں نے یہی کوشش کی تھی۔ میرا دعویٰ ہے کہ وہ زخمی ضرور ہو گیا ہے اور جناب کس کا گردہ ہے کہ وہ فریدی کے پھانک پر کھڑا ہو کر گولیاں چلا سکے۔ فریدی بھی قسمت کا سکندر ہی تھا جو آج میرے ہاتھ سے بچ گیا۔“

”یشیاں بگھارنے سے کام نہیں چلتا۔ کل لڑکی کو آجانا چاہئے۔ بس۔“ گمنام نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔
 اور اچانک زینوں کی روشنی گل ہو گئی۔

شیکھر سہم کر دیوار سے چپک گیا۔ روشنی تیس سیکنڈ سے زیادہ نہیں بند رہی.... گمنام آدمی اب وہاں نہیں تھا۔ شیکھر نے صدر کو اُسی طرح بیٹھے دیکھا۔

شیکھر چپ چاپ نیچے اترنے لگا۔ صدر کے قریب پہنچ کر اُس نے اُسے اٹھایا۔ اُس کے چہرے کی کھال کئی جگہ سے پھٹ گئی تھی اور وہ مٹھیاں بھینچے ہوئے بڑبڑا رہا تھا۔ ”اب میں اُسے کسی قیمت پر بھی نہیں چھوڑوں گا۔“

بوڑھے کی موت

دوسری صبح حمید کا موڈ بہت اچھا تھا۔ اس کے برخلاف فریدی بہت زیادہ فکر مند نظر آ رہا تھا۔ اُس نے پچھلی رات جاگ کر گزاری تھی۔ بوڑھا بے ہوش لڑکی کو اس کے سپرد کر کے واپس چلا گیا تھا۔ لڑکی رات ہی کو ہوش میں آ گئی تھی لیکن اُس نے فریدی کی کسی بات کا جواب نہیں دیا تھا۔ ناشتے کی میز پر وہ اُن کے ساتھ ہی تھی۔ لیکن پہلے ہی کی طرح خاموش.... حمید کافی چپک رہا تھا۔ لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اُس کی باتیں سمجھی ہی نہ ہو۔

”محترمہ حلوہ لیجئے۔“ حمید نے اُس کی طرف پلیٹ بڑھاتے ہوئے کہا۔ اُس نے تھوڑا سا حلوہ اپنی پلیٹ میں نکال لیا لیکن کچھ بولی نہیں۔

حمید نے جیب سے اپنی پالتو چوہیا نکالی اور اُسے میز پر بٹھادیا۔

”شروع کر دی بے ہودگی۔“ فریدی بڑبڑایا۔

حمید اُس کی بات کا جواب دیئے بغیر چوہیا سے بولا۔ ”کیا کھائیں گی آپ۔ اوہ کچھ بولے بھی
 مادام۔ آلیٹ پیش کروں یا روٹی کے چورے سے شوق فرمائیے گا۔“
 اُس نے ٹوسٹ کا ایک ٹکڑا چوہیا کے آگے ڈال دیا اور وہ اُسے کترنے لگی۔

”آپ..... آہ.....!“ حمید پھر چوہیا کی طرف جھک کر بولا۔ ”آپ کو کیا معلوم کہ کسی کے
 دل پر کیا گزرتی ہے جب آپ کے ننھے ننھے دانت کسی چیز کا چشم پشتا کرتے ہیں۔ چشم پشتا.....
 شاید یہ تمہاری ہی زبان کا کوئی لفظ ہے۔ اگر کوئی اس کے لئے غیث اللغات کی ورق گردانی کرے
 تو اُسے میری زبان میں اُلو کہیں گے۔ پتہ نہیں تمہاری زبان میں اُلو کو کیا کہتے ہوں گے۔“
 فریدی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ دکھائی دی لیکن لڑکی بدستور ٹھنسی بیٹھی رہی۔ وہ
 چوہیا کو ضرور دیکھ رہی تھی مگر اُسی انداز میں جیسے وہ بھی ناشتے ہی کا ایک حصہ ہو۔ نہ تو اُس کی
 آنکھوں میں حیرت تھی اور نہ چہرے پر اس قسم کے آثار جن سے یہ ثابت ہوتا کہ وہ حمید کی
 باتوں میں دلچسپی لے رہی ہے۔

”کیا آپ نے نہ بولنے کی قسم کھا رکھی ہے؟“ اچانک حمید مڑ کر اُس سے بولا۔

لڑکی نے اُسے استفہامیہ انداز میں دیکھا اور پھر سر جھکا لیا۔

”بہتر یہی ہے کہ تم اس چکر میں نہ پڑو۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”بہت اچھا جناب۔“ حمید نے سعادت مندی کے اظہار میں چہرے پر تیشی کے آثار پیدا
 کر لئے۔ پھر وہ پلٹ کر چوہیا سے بولا۔ ”ہم دونوں بہت دور چلے جائیں گے..... افق کے پار.....
 انشاء اللہ.... بلکہ افق کے پار کے اوپر کی طرف۔“

حمید نے لڑکی کی طرف دیکھا جواب بھی انتہائی سنجیدہ نظر آرہی تھی۔

اچانک فریدی کے کمرے میں فون کی گھنٹی بجی اور وہ ناشتہ چھوڑ کر اٹھ گیا۔ لڑکی نے بھی اُسی
 کے ساتھ اٹھنا چاہا مگر فریدی نے اُسے روک دیا۔

حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر چوہیا کی طرف دیکھا اور اُس نے بھی کچھ ایسا انداز اختیار کر لیا
 تھا جیسے وہ اس لڑکی کے وجود سے قطعی لاعلم ہو۔

لڑکی ناشتہ ختم کر کے کرسی کی پشت سے نک گئی تھی اور اُسکی آنکھیں چھت کی طرف تھیں۔
 اب یہ لڑکی حمید کے لئے سچ مچ ممعہ بننے لگی تھی اور اُسے اپنے دل سے یہ خیال نکالنا پڑ رہا تھا
 کہ یہ ڈرامہ فریدی کی کچلی ہوئی جنسیت ہی کا کوئی شاہکار ہے۔

اُس نے ایک بار پھر آنکھوں سے لڑکی کی طرف دیکھا۔ وہ بدستور چھت کی طرف دیکھ رہی تھی۔

حمید نے بیٹوں میں وہی دھن شروع کر دی جس پر چوہا ناچا کرتی تھی۔ وہ میز پر تھرکنے لگی۔ ننھے ننھے گھونگھروؤں کی ہلکی سی چھنک بڑی دلاویز معلوم ہو رہی تھی۔ لڑکی نے دزدیدہ نظروں سے چوہا کی طرف دیکھا اور پھر جلدی سے میز پر جھک پڑی۔ وہ بڑی دلچسپی سے چوہا کا رقص دیکھ رہی تھی اور اُس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔ یکایک کمرے کے باہر سے فریدی نے حمید کو آواز دی۔ حمید چوہا کو میز ہی پر چھوڑ کر باہر چلا گیا۔

”سنا تم نے....؟“ فریدی آہستہ سے بولا۔ ”بوڑھا مر گیا۔“

”کیا....؟“ حمید چونک کر بولا۔ ”مگر وہ زخم ایسا تو نہیں تھا۔“

”وہ ہسپتال میں مرا ہے۔ پچھلی رات میں نے اُسے کو توالی بھیجا تھا تاکہ وہ اس واقعے کی

رپورٹ درج کرادے۔ وہاں سے اُسے ہسپتال بھیجوا دیا گیا تھا۔“

”حیرت ہے۔ زخم بہت معمولی سا تھا۔“ حمید بولا۔

”اُس زخم کی وجہ سے وہ نہیں مرا۔ بلکہ اُس کا گلا گھونٹا گیا ہے۔“

”ہسپتال میں....؟“

فریدی اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔ پھر اُس نے کہا۔ ”جب تک میں واپس نہ آ جاؤں تم یہیں ٹھہرنا۔ لڑکی کی حفاظت ضروری ہے اور ہاں دیکھو کوئی بے ہودگی نہ ہو۔“



شیکھر اور صفدر برٹرام روڈ کی ایک عمارت کے کمرے میں بیٹھے ہوئے ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔ اُن کی آنکھیں نیند سے بوجھل نظر آرہی تھیں۔

”بڑی مصیبت میں پھنس گئے۔“ شیکھر بڑبڑایا۔ ”اگر آج رات لڑکی۔“

”پھر وہی بکواس۔“ صفدر جھنجھلا کر بولا۔ ”لڑکی کو ہمارے فرشتے بھی وہاں سے نہیں لا سکتے۔“

اگر کہیں فریدی بھی ہمارے راستے پر لگ گیا تو جان چھڑانی مشکل ہو جائے گی۔“

”اور اگر اُس نے وہ تصویر پولیس تک پہنچا دی تو کیا ہوگا؟“

”دیکھو شیکھر.... بہتر طریقہ یہی ہے کہ ہم اُسے ہی ٹھکانے لگانے کی کوشش کریں۔“

”اونہہ....!“ شیکھر براسمانہ بنا کر بولا۔ ”کیا پچھلی رات کا واقعہ بھول گئے۔“

”مجھے اچھی طرح یاد ہے لیکن میں ہمت ہارنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ دراصل جلد

بازی کی وجہ سے مجھے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تھا۔“

”میں کہتا ہوں اس چکر میں نہ پڑو۔ وہ ہم پر بھاری پڑتا ہے۔ سوچو تو اس نے کتنے بڑے بڑے

مجرموں کو ٹھکانے لگایا ہے۔ ہم اُن میں سے کسی کے پیروں کی خاک کے برابر بھی نہیں ہیں۔“
 شیکھر کچھ نہ بولا۔۔۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد بولا۔

”مگر یار سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ آخر وہ لڑکی ہے کیا بلا۔ بوڑھا غریب ہی آدمی معلوم ہوتا ہے اور دوسری بات آخر اُس نے فریدی ہی کے گھر کا رخ کیوں کیا تھا۔۔۔ اور سنو! میں نے پتہ لگایا ہے کہ وہ لڑکی دو ماہ پہلے بوڑھے کے پاس نہیں تھی۔ پڑوسیوں نے لڑکی کو کبھی بولتے نہیں سنا۔“

”معاملہ کچھ گہرا ہی ہے۔“ صدر بڑبڑایا۔ کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔ ”بہت زیادہ ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ فریدی شکاری کتے کی طرح مجرموں کی بوسو گھتا ہے۔“
 ”کتوں کی صحبت کا اثر ہے۔“ شیکھر نے ہنس کر کہا۔ ”کیا بتاؤں۔۔۔ بس وہ کل رات بچ ہی گیا۔“
 ”بینا اُس کا ستارہ بڑا اچھا ہے۔ بڑے بڑوں کے ہاتھ کانپ جاتے ہیں اُس کے سامنے۔“
 ”چھوڑو۔۔۔!“ شیکھر براسامنے بنا کر بولا۔ ”اُس کی موت ریوالور کی گولی ہی لائے گی۔“
 ”آج اُس شیطان کے بچے سے کیا کہو گے؟“ صدر نے موضوع بدل دیا۔
 ”سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کہوں۔“

”میری سمجھ میں آگیا ہے۔ بس آج رات کو دیکھ لیتا۔“



ہسپتال میں ڈی۔ ایس۔ پی سٹی بھی موجود تھا۔ چونکہ اس معاملے کا تھوڑا بہت تعلق فریدی سے بھی تھا اس لئے اُس کا موقعہ واردات پر پہنچا ضروری تھا۔ ورنہ کسی غریب بوڑھے کا قتل ایسی چیز نہیں تھا جس کے لئے ڈی۔ ایس۔ پی سٹی جیسی شخصیتیں تکلیف کرتیں۔

بوڑھا جنرل وارڈ میں رکھا گیا تھا اور وہاں ٹین کے لمبے سے سائبان کے نیچے تقریباً ساٹھ ستر مریض رہتے تھے۔ اُن میں سے کسی نے بھی کوئی غیر معمولی بیان نہیں دیا۔ لیکن ڈاکٹروں کا کہنا تھا کہ بوڑھا قدرتی موت نہیں مرا۔ شاید سوتے ہی میں اُس کا گلگا گھوٹا گیا تھا۔

کچھ دیر بعد فریدی وغیرہ ایک کمرے میں آ بیٹھے۔ فریدی کسی گہری سوچ میں تھا۔

”اور وہ لڑکی کیا کہتی ہے۔“ ڈی۔ ایس۔ پی نے فریدی سے پوچھا۔

”کچھ نہیں۔۔۔ وہ کسی بات کا جواب نہیں دیتی۔“ فریدی بولا۔

”باتوں کا جواب۔“ ڈی۔ ایس۔ پی مسکرایا۔ ”مسٹر فریدی! کیا آپ مجھے بہلانے کی کوشش

کر رہے ہیں۔“

”ہرگز نہیں۔“ فریدی بھی جواباً مسکریا۔ ”میں جانتا ہوں کہ صرف بچے ہی بہلائے جاسکتے ہیں۔“
 ”اُس لڑکی کو ہمارے حوالے کر دیجئے۔“

”یہ ناممکن ہے۔“

”کیوں....؟“ ڈی۔ ایس۔ پی کی بھنویں چڑھ گئیں۔

”وہ وہیں رہے گی۔ آپ اُس سے جو کچھ پوچھنا چاہیں پوچھ سکتے ہیں۔“

”مجھے کسی قانونی کارروائی پر مجبور نہ کیجئے۔“ ڈی۔ ایس۔ پی جھنجھلا کر بولا۔

فریدی چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔ ”کیا آپ ملینڈہ چل کر ایک بات سنیں گے؟“
 ڈی۔ ایس۔ پی اٹھ کر اُس کے ساتھ برآمدے میں چلا گیا۔

”مجھے جو کچھ کہنا تھا۔“ فریدی بولا۔ ”میں نے اُن سب کے سامنے کہنا مناسب نہ سمجھا۔“

ڈی۔ ایس۔ پی اُسے مستفسرانہ نظروں سے دیکھتا رہا۔

”عرض یہ کرنا ہے کہ آپ کسی قسم کی کوئی قانونی کارروائی نہیں کر سکتے۔ بوڑھا اُسے میری حفاظت میں دے گیا ہے۔“

”اس کا کوئی ثبوت! کیا لڑکی اس کا اقرار کر لے گی؟“

”اگر نہیں کرتی تب بھی! میں بہت اونچی پوزیشن کا آدمی ہوں اور کبھی کبھی قانون کو بھی

میرے سامنے انکنا پڑتا ہے۔ ویسے آپ میرے بزرگ ہیں۔ میں آپ کا احترام ضرور کروں گا۔“

”اچھی بات ہے۔ میں بھی قانون کا انکنا دیکھوں گا۔“ ڈی۔ ایس۔ پی نے کہا اور جھٹھاٹ میں

زور زور سے زمین پر بیر مارتا ہوا اُسی کمرے میں لوٹ آیا جہاں اُس کے ماتحت بیٹھے ہوئے تھے۔

فریدی بھی اُس کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔

ڈی۔ ایس۔ پی نے ایک سب انسپکٹر کو مخاطب کر کے کہا۔ ”تم ان کے ساتھ جاکر لڑکی کا

بیان لو۔ میں بہت عظیم الفرصت ہوں۔“

پھر وہ باہر چلا گیا.... وہاں کو توالی انچارج انسپکٹر جلد لیش بھی موجود تھا لیکن اُس نے بیان

لینے کے لئے اُس سے نہیں کہا۔ شاید اس بناء پر کہ فریدی سے اُس کے تعلقات بہت اچھے تھے۔

ڈی۔ ایس۔ پی کے جانے کے بعد کچھ لوگوں نے کھکار کر اپنے گلے صاف کیے اور جیبوں میں

سگریٹوں کے پیکٹ ٹٹولنے لگے۔

”چل رہے ہیں آپ؟“ فریدی نے اُس سب انسپکٹر سے کہا۔ ”میں بہت عظیم الفرصت ہوں۔“

”چلئے جناب۔“ انسپکٹر اٹھتا ہوا بولا۔ ”چوٹیں آپ لوگوں میں چلتی ہیں بھگتنا ہمیں پڑتا ہے۔“

”بھی میں تو ہمیشہ نالے کی کوشش کرتا ہوں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”اچھا آؤ....!“

”کیا مجھے بھی اجازت ہے؟“ جگدیش بولا۔

”ارے.... جگدیش۔ تم یہیں تھے.... ضرور.... ضرور.... مگر تمہیں کیوں سانپ سونگھ گیا تھا....؟“

”میں تو اب اس انچارجی سے تنگ آ گیا ہوں۔“

تھوڑی دیر بعد کیڈی لاک فریدی کی کونٹھی کی طرف جا رہی تھی۔ کونٹھی میں پہنچ کر سب انسپکٹر تو ڈرائنگ روم میں بیٹھ گیا۔ فریدی اور جگدیش اندر چلے گئے۔ انہوں نے ایک کمرے میں حمید کو دیکھا جو دونوں ہاتھوں سے سر تھامے فرش پر اکڑوں بیٹھا تھا۔ جگدیش اُسے دیکھ کر ہنسنے لگا۔

”کیا ہوا تمہیں؟ لڑکی کہاں ہے؟“ فریدی نے پوچھا۔

حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ چند لمحے وہ اُسے گھورتا رہا پھر اچانک اُس کے منہ سے عجیب طرح کی آوازیں نکلنے لگیں۔ ”بوع.... بیاع.... بی.... بیع....!“

ساتھ ہی وہ اچھل اچھل کر اپنا سر بھی پیٹ رہا تھا۔

”کیا بے ہودگی ہے؟“ فریدی جھلاہٹ میں اُسے بری طرح جھنجھوڑ کر بولا۔

”گونگی.... گونگی.... خدا کی قسم گونگی ہے۔“ حمید ہانپتا ہوا حلق پھاڑ کر چیخا۔

”اوہ....!“ فریدی بے ساختہ ہنس پڑا۔ ”لیکن آخر تمہیں پریشانی کیوں ہے؟“

”ہائیں کوئی پریشانی کی بات ہی نہیں۔“ حمید جھلاہٹ میں ہاتھ نچا کر بولا۔ ”ارے میں اُلو کا پٹھا اُسے اسپنوزا کی فلاسفی سمجھا رہا تھا۔ میں نے اُس سے موجودہ اقتصادی بحران پر بحث کرنی چاہی تھی۔ خدا کی قسم میں اس وقت خود کو ہمینس محسوس کر رہا ہوں۔“

جگدیش کے قہقہے رکنے کا نام ہی نہیں لیتے تھے۔

”وہ ہے کہاں....؟“ فریدی نے پوچھا۔

”ایک کمرے میں گھس کر اندر سے دروازہ بند کر لیا ہے۔“

”کیوں....؟“ دفعتاً فریدی کا موڈ بگڑ گیا۔

”کیا آپ کچھ اور سمجھتے ہیں؟“ حمید جلدی سے بولا۔ ”بات دراصل یہ ہوئی کہ میں نے اُسے

سانپوں والے کمرے کی سیر کرا دی اور اُسی وقت یہ راز کھلا کہ وہ گونگی ہے۔ چیخ مار کر بلبلاتی ہوئی بھاگی تھی۔“

فریدی پھر ہنس پڑا۔ جلد لیش اب سنجیدہ ہو چکا تھا۔ اُس نے فریدی سے کہا۔
 ”کو تو اب صاحب کو اور زیادہ تاؤ آئے گا۔“
 ”بھئی اب میں کیا کروں اگر وہ گونگی ثابت ہو۔“



رات تاریک تھی اور آسمان میں بارش کے آثار موجود تھے۔ شیکھر اور صفدر بر ٹرام روڈ پر پیدل چل رہے تھے۔ وہ تھوڑی دیر تک خاموشی سے چلتے رہے پھر شیکھر نے صفدر سے کہا۔
 ”دیکھو! کافی سوچ سمجھ کر قدم اٹھانے کی ضرورت ہے۔ بوڑھے کا انجام تو تم نے دیکھ لیا۔ اُس کم جنت کے علاوہ اور کون بھرے پُرے ہسپتال میں گھس کر کسی کا گلا گھونٹ سکتا ہے۔“
 ”تم اتنے ڈرپوک کیوں ہو شیکھر....؟“ صفدر منہ بنا کر بولا۔

”یارت تم مجھے خواہ مخواہ غصہ نہ دلایا کرو.... سمجھے۔“

صفدر کچھ نہ بولا۔ وہ دونوں خاموشی سے چلتے رہے۔ آج صفدر کی جیب میں ریوالور بھی تھا اور اُس نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ آج اُس خطرناک آدمی کو پہنچنے کا موقع نہ دے گا۔
 کچھ دیر بعد اُس نے شیکھر سے کہا۔ ”اگر تم نے اپنے حواس بجا رکھے تو وہ آج بچ کر نہیں جاسکتا۔“
 ”صفدر میں تمہیں کیسے سمجھاؤں کہ وہ اناڑی نہیں ہے۔“ شیکھر لمبی سانس لے کر بولا۔ ”کیا تم اُس کا پچھلی رات والا رویہ بھول گئے؟ اس نے کہا تھا کہ وہ ہمیں اُسی منزل کے ایک کمرے میں ملے گا جس کی کھڑکی میں ہمیں سرخ روشنی دکھائی دے گی لیکن وہ ہمیں کہاں ملا۔ تیسری منزل کے زینوں پر اور روشنی پانچویں منزل کی ایک کھڑکی میں نظر آئی تھی۔“
 ”تم کہنا کیا چاہتے ہو؟“

”یہی کہ وہ اُس جگہ ہرگز نہ ملے گا جہاں ملنے کا وعدہ کیا ہے۔“ شیکھر بولا۔ ”ایسی صورت میں تم کیا کر سکو گے۔ کل تو میں اس کی لاپرواہی دیکھ کر دنگ رہ گیا تھا.... تمہیں نیچے پھینک کر وہ کتنا مطمئن نظر آ رہا تھا اور کتنی لاپرواہی سے تمہیں دوبار چاقو پھینک کر مارنے کی دعوت دی تھی.... پھر بولو! ہمت پڑی تھی تمہاری؟“

”تو تم یہ چاہتے ہو کہ میں خاموش رہوں؟“ صفدر نے پوچھا۔

”فی الحال ہمیں خاموش ہی رہنا چاہئے۔ مصلحت اسی میں ہے۔“

صفدر کچھ دیر خاموش رہا.... پھر بولا۔ ”لیکن آج اُسے کیا جواب دو گے؟“
 ”دیکھا جائے گا۔“

”ریوالور ہے تمہارے پاس....!“ صفدر نے پوچھا۔

”ہاں.... کیوں؟“

”کچھ نہیں یونہی پوچھا تھا۔“

وہ چلتے چلتے ٹمپل روڈ کی ایک گلی میں مڑ گئے۔ پوری گلی میں صرف ایک جگہ دیوار سے لگے ہوئے بریکٹ میں بجلی کا بلب روشن تھا۔ کچھ دور چل کر انہیں اندھیرے سے الجھنا پڑا۔ وہ پھر ایک پتلی سی گلی میں مڑ گئے۔ یہاں چھوٹی چھوٹی بے شمار گلیاں تھیں۔

جس گلی میں وہ اب چل رہے تھے وہاں اتنا اندھیرا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ نہیں بھجائی دیتا تھا۔ اچانک ان دونوں کو ایسا محسوس ہوا جیسے اُن کی جیبیں ہلکی ہو گئی ہوں۔ دونوں کے منہ سے بیک وقت ”ارے“ نکلا اور اُن کے ہاتھ جیبوں میں چلے گئے۔ دونوں کے ریوالور غائب تھے۔ وہ بوکھلا کر پلٹے۔

”بس چلتے رہو۔“ قریب ہی سے کسی نے نرم آواز میں کہا۔ ”تم لوگ کسی دیوتا کی اولاد نہیں ہو کہ میں تم پر اعتماد کر لوں۔“

وہ دونوں اُس کی آواز پہچان گئے۔ چلتے رہنے کے علاوہ اور چارہ ہی کیا تھا۔ وہ عقب سے انہیں کا شن دیئے جا رہا تھا۔ ایک جگہ اُس نے انہیں رکنے کو کہا۔

”دابنے طرف مڑ کر دروازے کو دھکا دو۔“

انہوں نے چپ چاپ تعمیل کی۔ دروازہ ہلکی سی چڑچڑاہٹ کے ساتھ کھل گیا اور وہ اُس کے حکم کے مطابق اندر داخل ہو گئے۔ عقب سے اُن کے سامنے نارنج کی روشنی پڑی اور وہ ایک طویل راہداری سے گزرنے لگے۔

تھوڑی دیر بعد وہ ایک آرام دہ کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ یہاں کافی روشنی تھی اور وہ خطرناک آدمی اُن کے سامنے ٹہل رہا تھا اور اس وقت بھی اُس کے ہاتھوں میں دستانے تھے۔

”اب سنو! میرا پلان۔“ وہ رک کر بولا۔ ”تم صفدر بالکل ہی احمق آدمی ہو۔ اس لئے میں تمہیں اپنے راستے سے ہٹانا چاہتا ہوں۔ شکھر تم سے زیادہ چالاک ہے اس لئے میں اُسے زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچانے کی کوشش کروں گا.... ارے تمہارے چہرے پر تو ہوائیاں اڑنے لگیں۔ راستے سے ہٹانے کا یہ مطلب نہیں کہ میں تمہیں ختم کر دوں گا۔ فی الحال تم اس شہر سے کہیں اور چلے جاؤ۔ اخراجات میں برداشت کروں گا.... اور اگر تم کل بارہ بجے کے بعد سے پھر اس شہر میں دکھائی دیئے تو اپنی موت کے خود ذمہ دار ہو گے۔ سمجھے.... میں تمہیں چوہے کے بل سے بھی

نکال کر ختم کر دوں گا۔“

وہ چند لمحے خاموش رہا پھر شیکھر سے بولا۔ ”میں تم پر کسی حد تک اعتماد کر سکتا ہوں۔“
 شیکھر کچھ نہ بولا۔ وہ اس عجیب و غریب آدمی کو سبھی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اُس نے
 مسکرا کر شیکھر ہی سے کہا۔ ”نروان بلڈنگ میں بوڑھے کے فلیٹ کے برابر والا فلیٹ خالی ہے۔ تم
 اب اُس میں قیام کرو گے..... نہیں..... ابھی اس سلسلے میں کچھ پوچھنے کی کوشش نہ کرو۔ یہ رہی
 فلیٹ کی کنبی۔ تم بے دھڑک اس میں رہ سکتے ہو اور میں تمہاری حفاظت کی پوری پوری ذمہ داری
 لیتا ہوں۔“

حمید کی بوکھلاہٹ

فریدی کافی دیر سے اُس کاغذ کے ٹکڑے کو گھور رہا تھا۔ دو ایک بار اُس نے فون کی طرف
 بھی ہاتھ بڑھایا تھا مگر پھر کچھ سوچ کر رہ گیا تھا۔

حمید کئی بار ادھر سے گذرا لیکن اُس نے اُسے جھپٹنا مناسب نہیں سمجھا۔ ورنہ ویسے اس کا
 دل ضرور چاہتا تھا کہ وہ اُس کاغذ کے ٹکڑے کے متعلق استفسار کر لے۔
 آخر کچھ دیر بعد فریدی ہی نے اُسے آواز دی۔

”لڑکی کو یہاں لاؤ۔“

”لڑکی....!“ حمید آہستہ سے بولا۔ ”مجھ میں نہیں آتا کہ اُس کا نام کیا ہو گا۔“

”ہو گا کچھ.... اُسے یہاں لاؤ۔“

حمید چلا گیا۔ فریدی نے کاغذ کا ٹکڑا کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ لیا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا
 پھر ختم ہوتے ہوئے سگار کو الیش ٹرے میں مسلٹا ہوا کھڑا ہو گیا۔

لڑکی حمید کے ساتھ آئی ضرور مگر دروازے ہی میں کھڑی رہی۔ فریدی نے اُسے اشارے
 سے اپنے قریب بلایا۔

”مگر....!“ وہ حمید سے بولا۔ ”سب سے بڑی دشواری یہ ہے کہ اس سے کچھ پوچھا کس

طرح جائے۔“

”کیا پوچھنا چاہتے ہیں آپ....؟“ حمید اڑکڑ بولا۔ ”اس قسم کے معاملات میں ہمیشہ کیپٹن

حمید کی خدمات حاصل کیجئے۔“

”پتہ نہیں.... یہ اسی شہر کی باشندہ ہے یا کہیں باہر کی۔“

”بس اتنی سی بات۔ دیکھئے ابھی معلوم کرتا ہوں۔ چٹکی بجائیے۔“

حمید نے لڑکی کو اپنی طرف مخاطب کر کے ریلوے انجن کا پوز بنایا اور ”چھک چھک“ کرتا ہوا کمرے میں دوڑنے لگا۔ لڑکی پہلے تو اسے سنجیدگی سے دیکھتی رہی پھر بے ساختہ ہنس پڑی۔ پھر حمید نے رک کر اشارے سے پوچھنا چاہا کہ وہ اسی شہر میں رہتی ہے یا اس طرح ٹرین میں بیٹھ کر کہیں باہر سے آئی ہے۔“

شاید وہ اس کا مطلب سمجھ ہی نہ سکی تھی۔ اُس نے حیرت سے استفہامیہ اشارہ کیا۔

”ارر... بھائی صاحب۔ نہیں سمجھے۔“ حمید نے اپنے پیشانی پر ہاتھ مار کر کہا۔ ”اچھا پھر سمجھو۔“

اس بار اس نے ریلوے انجن کی نقل اتارنے کے سلسلے میں اتنا غل غپاڑہ بچایا کہ فریدی کو اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونسنی پڑیں۔

”بس حمید صاحب بس۔“ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”اب اگر اس کے بعد آپ نے ہوائی

جہاز بننے کی کوشش فرمائی تو میں اپنے کتوں کو کسی طرح قابو میں نہ رکھ سکوں گا۔“

حمید رک کر ہانپنے لگا۔ پھر اُس نے لڑکی سے کہا۔ ”تمہیں شرم نہیں آتی۔ کھڑی ہنس رہی ہو۔ اتنی محنت پر تو ریل کا انجن بھی فاری بولنے لگتا۔“

”بہت مشکل ہے۔“ فریدی بڑبڑایا۔ ”اس کے لئے مجھے دوسرا طریقہ اختیار کرنا پڑے گا۔“

”اچھا اب اسے جانے دو۔“

حمید نے ہاتھ کے اشارے سے اسے جانے کو کہا۔ مگر لڑکی نے انکار کر دیا۔ پتہ نہیں کیوں وہ اُن کے ساتھ ہی ساتھ رہنے پر مصر نظر آرہی تھی۔

”حمید صاحب.... یہ اگر اسی شہر کی ہوتی تو ان عجیب و غریب حالات میں رہنا پسند نہ کرتی۔“

کوئی مجبوری ہی تھی جس نے اُسے دو ماہ تک ایک اجنبی بوڑھے کے پاس روکے رکھا۔“

حمید کچھ نہ بولا۔ فریدی نے تھوڑی دیر تک خاموش رہنے کے بعد کہا۔ ”اچھا اور اگر یہ اسی

شہر کی باشندہ ہونے کے باوجود بھی ہمیں اپنے گھر تک نہیں لے جانا چاہتی تو اس کا یہی مطلب

ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی پوزیشن سے اچھی طرح واقف ہے۔“

”میں نہیں سمجھا....!“ حمید بولا۔

”فی الحال اتنا ہی کافی ہے۔ تشریح بعد میں ہو جائیگی۔ میرا ذہن ایک نئے راستے پر چل نکلا ہے۔“

”اور خدا نے چاہا تو اب میرا دماغ چل نکلے گا۔“ حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا پھر آہستہ سے بولا۔ ”آخر اس عجیب و غریب واقعے کی خبر اخبارات میں کیوں نہیں آئی؟“

”میں نے مناسب نہیں سمجھا۔“

”اگر مناسب سمجھتے تو مجھے ایک ماہ کی چھٹی دلواد دیجئے۔“

”حمید بکواس مت کرو۔ میں تمہاری شادی کے امکانات پر غور کر رہا ہوں۔“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

”شادی اب کیا ہوگی۔“ حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

”میری بات سنو۔ بوڑھے نے کیا کہا تھا؟ جب خطرات حد سے بڑھ جائیں تو اس لڑکی کی کسی سے شادی کر دی جائے۔“

حمید بوکھلا کر دو چار قدم پیچھے ہٹ گیا۔ فریدی کے چہرے پر بلا کی سنجیدگی تھی۔

”یہ نہیں ہو سکتا.... ہرگز نہیں۔“ حمید ہکھلایا۔

”کتنے گدھے ہو تم....“ فریدی اُسے چکار کر بولا۔ ”تم ایک حسن پرست ہو.... اور یہ لڑکی لاکھوں میں ایک ہے۔“

”آپ ہوش میں ہیں یا نہیں؟“

”میں بالکل ہوش میں ہوں.... یہ میرا اٹل فیصلہ ہے۔“

”دیکھئے میں اس قسم کا مذاق پسند نہیں کرتا۔“

”میں سنجیدگی سے گفتگو کر رہا ہوں۔“

”آپ خود ہی کیوں نہیں کر لیتے۔ آپ کے لئے ایسی ہی مناسب ہے جو کچھ بول نہ سکے۔“

”خیر میں تو شادی نہ کرنے کا عہد ہی کر چکا ہوں۔“

”تو میں بھی اسی وقت بعد دل شادی نہ کرنے کا عہد کرتا ہوں۔ بلکہ اپنے آباؤ اجداد کی شادیاں بھی کینسل کرتا ہوں۔“

”مسخرہ پن سے کام نہیں چلے گا۔ شادی تمہیں کرنی ہی پڑے گی۔“

حمید پر پھر بوکھلاہٹ کا دورہ پڑا.... اور لڑکی کو یہ سمجھانے کے لئے کہ وہ ایک آوارہ آدمی ہے اُس نے عجیب قسم کی حرکتیں شروع کر دیں۔ پتلون کے پائینچے موڑ کر گھٹنوں تک چڑھائے اور بال بکھر کر گانے لگا۔ ”آوارہ ہوں.... آوارہ ہوں۔“

پھر اشارے سے بتایا کہ میں شرابی بھی ہوں۔ اس کے لئے اُس نے روشنائی کی بوتل اٹھائی

اور گلاس میں تھوڑی سی روشنائی انڈیلی اور بوکھلاہٹ میں ایک گھونٹ بھی لے لیا۔ پھر خیال آتے ہی کلی جو کی ہے تو کمرے کا قالین برباد ہو کر رہ گیا۔ لڑکی بے تحاشہ ہنس رہی تھی۔

”کیا بے ہودگی ہے۔“ فریدی بگڑ کر بولا۔

”گولی مار دیجئے نا۔ ضروری نہیں کہ میں آپ کی ہر بات مان ہی لوں۔ آپ مجھے مجبور نہیں کر سکتے۔“

حمید بھنھناتا ہوا کمرے سے نکل آیا۔ اُس کے پیچھے پیچھے لڑکی بھی نکلی۔ قدموں کی آواز سن کر حمید پلٹ پڑا۔

”ہائیں! ارے بابا تم میرے پیچھے کیوں پڑ گئی ہو۔ کیا سچ مچ میری گردن ہی کٹوا دو گی۔“

لڑکی ہنستی رہی۔ پھر اُس نے حمید کا ہاتھ پکڑ کر اُسے غسل خانے کی طرف کھینچنا شروع کر دیا اور وہاں پہنچ کر اشارے سے بتایا کہ اُسے اپنا منہ صاف کرنا چاہئے۔ حمید بوکھلاہٹ میں یہ بھول ہی گیا تھا کہ اُس نے روشنائی کا گھونٹ لیا تھا۔ لڑکی کے یاد دلانے پر اُس کی زبان پر روشنائی کی تلخی جاگ اٹھی اور وہ بُرا سامنہ بنائے ہوئے پائپ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

جب وہ اپنا منہ صاف کر چکا تو لڑکی نے اشارے سے پوچھا کہ کیا اُس کا کوئی اسکر یوڈھیلا ہے۔

”بھاگ جاؤ۔“ حمید جھلاہٹ میں اُسے مکا د کھا کر بولا۔

اُسے سچ مچ بڑی پریشانی تھی۔ فریدی کے انداز سے صاف یہی ظاہر ہو رہا تھا کہ اُس نے جو کچھ کہا ہے کر گزرے گا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ ہو سکتا ہے کہ یہ کوئی وقتی مصلحت ہو.... مگر اُس کی زندگی تو اجیرن ہو ہی جائے گی۔ اُس کی جان پہچان والی لڑکیاں اُس سے بد کئے لگیں گی۔

تھوڑی دیر بعد فریدی نے اُسے پھر آواز دی اور لڑکی پھر اُس کے پیچھے لگ گئی۔ شاید اُسے بھی حمید کو تنگ کرنے میں مزہ آرہا تھا۔

فریدی نے لڑکی کو واپس جانے کا اشارہ کیا اور وہ چپ چاپ واپس چلی گئی۔ نہ جانے کیوں وہ فریدی کی ہر بات مان لیتی تھی۔

”دیکھئے آپ مجھے کسی طرح بھی اس پر آمادہ نہیں کر سکتے۔“ حمید نے کہا۔

”اونہ ختم کرو۔“ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔ ذرا اسے دیکھنا۔“

فریدی نے کوٹ کی اندرونی جیب سے کاغذ کا وہی ٹکڑا نکال کر حمید کی طرف بڑھا دیا جس میں وہ بڑی دیر تک الجھا رہا تھا۔

حمید نے اُسے پڑھ کر فریدی کی طرف دیکھا۔

”یہ مجھے بوڑھے کے فلیٹ میں ملا تھا۔“ فریدی نے کہا اور حمید کے چہرے پر حیرت کے آثار نظر آنے لگے۔

”کیا وہ بوڑھا اس قسم کا آدمی تھا کہ کسی کو بلیک میل کر سکے۔“ حمید بولا۔
 ”یہ تو کسی ایسے آدمی کا خط معلوم ہوتا ہے جسے بلیک میل کیا جا رہا ہو۔ مگر وہ.... یہ تو کسی عورت کا خط ہے۔“

”ہاں کسی ایسی عورت کا خط جس سے کسی بڑی رقم کا مطالبہ کیا گیا ہو۔ تمہارا بلیک میلنگ کا نظریہ درست معلوم ہوتا ہے۔ اب سوال یہی ہے کہ کیا وہ بوڑھا کسی عورت کو بلیک میل کر رہا تھا مگر اُس کے جاننے والے حلقوں میں کسی نے بھی اُس کے متعلق کوئی بُری رپورٹ نہیں دی۔“
 ”ذرا ٹھہریے۔“ حمید سنجیدگی سے بولا۔ ”میرا خیال ہے کہ اُس رات والے حادثے کے بعد سے بوڑھے کو اپنے فلیٹ تک جانے کا موقع نہ ملا ہو گا۔“

”تمہارا خیال ٹھیک ہے.... لیکن کہنا کیا چاہتے ہو؟“
 ”ہو سکتا ہے کہ یہ پرچہ حملہ آوروں میں سے کسی کی جیب سے گرا ہو۔“
 ”یہ خیال کیسے پیدا ہوا؟“

”پرچے کی حالت۔ غالباً یہ کہیں کسی کو نے میں مڑا ترا ملا ہو گا۔“ حمید بولا۔
 ”ٹھیک ہے۔“ فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے سر ہلایا۔ ”تمہارے خیال کی تائید میں ایک بات اور بھی کہی جاسکتی ہے۔ خط کا انداز بتاتا ہے کہ عورت سے پہلے بھی کئی بڑی رقبیں وصول کی جابگی ہیں۔ مگر بوڑھے کی حالت سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اُس نے کبھی خوش حالی کی زندگی بسر کی ہو۔ اُسے پانچ ہزار جو اُس پر اسرار آدمی سے ملے تھے اُن کا پس ماندہ بھی پولیس نے برآمد کر لیا ہے۔ مجموعی رقم چار ہزار سات سو تھی۔ یعنی پچھلے دو ماہ میں بوڑھے نے صرف تین سو روپے خرچ کیے اور بقیہ کو احتیاط سے رکھے رہا۔ اس سے بھی اُس کی نیک نیتی پر روشنی پڑتی ہے.... دوسری بات اگر وہ عادی قسم کا بلیک میلر ہوتا تو نہ صرف اُس کے دیئے ہوئے پانچ ہزار ہضم کر لیتا بلکہ لڑکی کے دشمنوں سے بھی ساز باز کیے بغیر نہ رہتا.... نہ وہ اپنے بازو پر گولی کھاتا اور نہ اُسے ہسپتال میں بے بسی کی موت مرتا پڑتا۔“

”ہاں.... مگر یہ سارا گورکھ دھندا ہے کیا بلا؟“
 ”کچھ بھی ہو.... ہوشیاری کی ضرورت ہے۔ واقعات کی نوعیت ذرا افسانوی قسم کی ہے۔ اس لئے ہم کہیں بھی ٹھوکر کھا سکتے ہیں۔“

”تو کیا اب یہ گونگی مستقل طور پر ہمارے ساتھ رہے گی۔“

فریدی جواب دینے کی بجائے بے اختیار مسکرا پڑا۔ اُس کی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔
”تم اُس سے خائف کیوں ہو؟“

”اُس سے نہیں! آپ مجھے پرہول معلوم ہونے لگے ہیں بلکہ ابو الہول کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ آپ سراغ رسانی کی دھن میں سب کچھ کر گزرتے ہیں۔“

”خیر فی الحال میں اس مسئلے میں نہیں الجھنا چاہتا۔ میں نے تمہیں دراصل اس لئے بلایا تھا کہ تم خط لکھنے والی عورت کی شخصیت پر روشنی ڈالنے کی کوشش کرو۔“
”کیا آپ مجھے جادوگر سمجھتے ہیں؟“
”کیوں....؟“

”ارے جناب! اگر لکھنے والی کا نام بھی اس پر ہوتا تو میں....!“

”تب کیا خاص بات ہوتی؟“ فریدی نے اُسے جملہ نہ پورا کرنے دیا۔

”میرا دعویٰ ہے کہ تم اس عورت کو بہت قریب سے جانتے ہو۔“

”بظاہر اس کاغذ میں مجھے کوئی ایسا سراغ نہیں ملتا جو آپ کی رہنمائی کر سکے۔“

”تب تم اندھے ہو۔“ فریدی نے برا سامنہ بنا کر کہا۔ ”اور تمہارے لئے گونگی ہی مناسب رہے گی۔ کیا تمہیں اس کاغذ پر اتنا مونا سا مونوگرام نہیں دکھائی دیتا؟“

”جی ہاں! دیکھ رہا ہوں۔ جی۔ سی۔ ایم ہے۔ مگر آپ اس سے کیا نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں؟“

فریدی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے کہا۔ ”ذرا میرا سگارا کا ڈبہ اٹھاؤ۔“

حمید نے ہاتھ بڑھا کر ڈبہ اٹھالیا۔

”ذرا اس کا مونوگرام دیکھو اور یہ واضح رہے کہ یہی مونوگرام ان کا ٹریڈ مارک بھی ہے۔ یعنی

اسے گولڈن سگارا مینو فیکچررز کے علاوہ اور کوئی نہیں استعمال کر سکتا.... کیا سمجھے۔“

”ہاں ہے تو.... دونوں مونوگرام ایک ہی ڈائی کے نکلے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔“

”اب ذرا اپنے ذہن کو آزاد چھوڑ دو۔“

”تو آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جی۔ سی۔ ایم والوں ہی سے تعلق رکھنے والی کوئی عورت۔“

”ہاں! اگر ہمیں ان میں سے کوئی ایسی عورت نظر آجائے تو اُسے دیکھنا ہی پڑے گا۔“

”میں سمجھ گیا.... آپ کا اشارہ غالباً جی۔ سی۔ ایم کے جنرل منیجر کی بیوی کی طرف ہے۔“

”دیکھو میں نہ کہتا تھا کہ تم اُسے بہت قریب سے جانتے ہو۔“

”مگر سرکار والا.... اس کاغذ کو جی۔ سی۔ ایم کے عملہ سے تعلق رکھنے والی کوئی دوسری عورت بھی تو استعمال کر سکتی ہے؟“

”کر سکتی ہے.... لیکن ہمیں اُن میں بھی ایسی عورت تلاش کرنی پڑے گی جو کسی بڑی رقم کا مطالبہ برداشت کرنے کی اہل ہو اور ساتھ ہی ساتھ اُس کا ماضی ایسا رہا ہو کہ اُسے بلیک میل کیا جاسکے۔ شاہینہ میں تم یہ دونوں خصوصیات پاؤ گے۔ کیا ایک زمانے میں وہ تم سے رومان بازی نہیں کر رہی تھی؟“

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ ”اگر واقعی یہ تحریر شاہینہ ہی کی ہے تو میں اُس سے سب کچھ اگلا لوں گا۔“

”ہاں فرزند.... میں یہی چاہتا ہوں۔“

”اچھا تو فکر نہ کیجئے.... وہ ہائی سرکل نائٹ کلب میں قریب قریب روز ہی نظر آتی ہے۔ آج مجھے دن بھر کی کوفت بھی کم کرنی ہے۔“



صنذر صبح ہی صبح باہر جانے کے لئے تیار ہو گیا۔ لیکن اُس نے یہ سب کچھ بڑی بے دلی سے کیا تھا۔ وہ ہرگز اس پر تیار نہ ہوتا مگر شیکھر نے اُس کی زندگی تلخ کر دی تھی۔

”شیکھر میں تمہاری ناعاقبت اندیشیوں سے تنگ آ گیا ہوں۔“ وہ جھلائی ہوئی آواز میں بولا۔

”کیوں اپنی زندگی کے پیچھے پڑے ہو۔ وہ انتہائی خطرناک آدمی ہے۔“ شیکھر بولا۔

”میں بزدل نہیں ہوں شیکھر لیکن مجھے اُس قسم کا پاس ہے جو ہم نے ایک دوسرے کا پابند

رہنے کے لئے کھائی تھی۔ ورنہ مجھے اس شہر سے کسی رستم کا باپ بھی ہٹا سکتا تھا۔“

”چلو یہی سہی۔ میں اسے بزدلی نہیں بلکہ حکمت عملی سمجھتا ہوں۔“ شیکھر بولا۔

صنذر کچھ دیر خاموش رہا۔ پھر اُس نے کہا۔ ”مگر دیکھو بیٹے۔ اُس سے ہوشیار ہی رہنا۔ میرا

دل گواہی دیتا ہے کہ وہ ہمیں کسی بڑی مصیبت میں پھنسانے والا ہے۔ ایسی مصیبت میں جس سے

پھانسی ہی بہتر ثابت ہوگی۔“

”فکر نہ کرو۔“ شیکھر نے کہا۔ ”میں بھی سمجھتا ہوں اور تمہاری عدم موجودگی میں تمہاری

تدبیر کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کروں گا۔“

”یعنی....؟“

”موقعہ ملتے ہی اُس کم بخت کو ٹھکانے لگانا۔“

”ٹھیک ہے۔ لیکن آخر وہ مجھے یہاں سے نکال دینے پر کیوں تلا ہوا ہے؟“
 ”احتیاطاً.... لیکن تمہیں جلد بازار پر یو قوف سمجھتا ہے۔ اُسے ڈر ہے کہ کہیں تم پولیس تک نہ جا پہنچو۔“

صفدر شیکھر سے رخصت ہونے کے بعد سیدھا اسٹیشن پہنچا۔ ٹرین آنے میں ابھی ایک گھنٹے کی دیر تھی۔ وہ فرسٹ کلاس ویٹنگ روم میں بیٹھ کر ٹرین کا انتظار کرنے لگا۔ گم نام آدمی سے اُسے کافی رقم مل گئی تھی کہ وہ کچھ دن ریسانہ ٹھاٹ سے زندگی بسر کر سکتا تھا۔
 اُسے یہاں آئے پندرہ ہی منٹ گزرے تھے کہ ایک قلی نے اُسے ایک لفافہ لا کر دیا۔ صفدر پہلے تو چونکا لیکن پھر اُسے اُس خطرناک آدمی کا خیال آگیا۔ اُس نے بڑی تیزی سے لفافہ چاک کیا اور خط پڑھنے لگا۔ انگریزی حروف میں چھوٹی سی عبادت ٹائپ کی ہوئی تھی۔
 ”صفدر!“

اب تمہیں کہیں جانے کی ضرورت نہیں۔ میں نے اپنی اسکیم بدل دی ہے۔ اس کی فکر نہ کرو کہ تم فرسٹ کلاس کا ٹکٹ لے چکے ہو۔ اُسے واپس کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔ مجھے تمہاری یہ بات پسند آئی ہے کہ تم نے پچھلی رات صفائی نہیں پیش کی اور نہ میری خوشامد ہی کی۔ میں تم جیسے دلیروں کی قدر کرتا ہوں۔“

صفدر نے خط ختم کر کے بہت بُرا سامنہ بنایا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر شیکھر کے ساتھ تھا۔
 ”یہ بہت اچھا ہوا پیارے۔“ شیکھر اُس سے کہہ رہا تھا۔ ”تمہارے بغیر مجھے یہ دنیا جہنم معلوم ہوتی.... مگر آخر اُس نے اپنا ارادہ کیوں تبدیل کر دیا۔“

”اُسے جھوٹو جہنم میں.... مجھے اُس لڑکی کی فکر ہے۔ آخر اُس میں کون سے ایسے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں جس کے لئے اتنے پاؤں بیلے جا رہے ہیں۔“
 ”سوچنے کی بات ہے۔“ شیکھر بولا۔ ”تمہاری واپسی سے پہلے ہی مجھے اس کی اسکیم کی تبدیلی کا علم ہو گیا تھا۔“

”کس طرح....؟“ صفدر چونک کر بولا۔

”اُس نے مجھے بھی خط لکھا ہے۔“

”لکھا ہے.... یا ٹائپ کیا ہے؟“

”وہی مطلب! ٹائپ ہی ہے۔“

”لوٹری کی طرح چالاک ہے.... بھلا اپنی تحریر کیوں دینے لگا۔“

”اسکیم بدلنے کی اطلاع کے ساتھ ہی اُس نے آج رات کے پروگرام کے متعلق بھی لکھا ہے۔“
 ”کیسا پروگرام؟“

”بتاتا ہوں.... لیکن تم وعدہ کرو کہ تمہیں اُس میں شرکت سے انکار نہیں ہوگا۔“
 ”آخر معلوم بھی تو ہو۔ ویسے جہاں تم وہاں میں۔ خواہ وہ جہنم ہی کیوں نہ ہو۔“
 ”ہمیں فریدی کی کوٹھی میں گھسنا ہوگا۔“

”پھر وہی حماقت۔“ صفدر بگڑ گیا۔
 ”سنو تو سہی! ہمارے ساتھ وہ خود بھی ہوگا۔“

پھر وہی دستانے

شام ہوتے ہی حمید ہائی سرکل نائٹ کلب پہنچ گیا۔ شاہینہ ابھی تک نہیں آئی تھی لیکن حمید کو توقع تھی کہ وہ آئے گی ضرور۔ شاہینہ گولڈن سگار مینو فیکچررز کے جنرل مینجر کی بیوی تھی۔ انتہائی حسین اور سوسائٹی کی جان تھی۔ اُس کا ماضی خواہ کچھ رہا ہو لیکن اب خصوصاً جنسی معاملات میں صرف اپنے شوہر کی پابند تھی۔ رہ گئی مردوں سے دوستی تو اُسے بہت زیادہ ترقی یافتہ طبقے میں بُری نظروں سے نہیں دیکھا جاتا۔

حمید سے اُس کی پرانی دوستی تھی۔ حالانکہ وہ دونوں عرصہ سے ملے نہیں تھے۔ مگر پھر بھی حمید اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ دوسروں کا ساتھ چھوڑ کر اُس سے مل بیٹھنا زیادہ پسند کرے گی۔ حمید جیسے جان محفل قسم کے لوگوں کے لئے کسی قسم کی رکاوٹ کا سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا تھا۔ اُس کی شناسا عورتیں اُسے ہر حال میں پسند کرتی تھیں۔ وجہ یہ تھی کہ وہ انہیں خواہ مخواہ پور نہیں کرتا تھا۔ نہ اُس نے آج تک کسی سے شادی کی درخواست کی تھی اور نہ وہ ”اظہار محبت“ جیسی لچر حرکت کا قائل تھا۔

نوبے کے قریب شاہینہ آگئی۔ وہ تنہا ہی تھی۔ ہال میں داخل ہو کر اُس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ اُس کے کئی شناسا اپنی جگہوں سے اٹھے۔ حمید چپ چاپ بیٹھا رہا۔ وہ اپنی میز پر تنہا تھا۔ حمید اُسے نکلیوں سے دیکھتا رہا۔ اتفاق سے وہ اُس کے قریب ہی کی ایک میز پر آ بیٹھی۔ اُس کے مختلف شناسا مختلف میزوں سے اٹھے تھے غالباً اسی لئے شاہینہ نے ایک خالی میز کا انتخاب

کیا تھا۔

بیٹھے ہی اُس کی نظر حمید پر پڑی اور حمید نے بہت ہی مودبانہ انداز میں جھک کر اُسے سلام کیا۔
”ہیلو.....!“ شاہینہ اپنی باریک سی آواز میں چیخنی اور اٹھ کر حمید کے پاس آ بیٹھی۔

”جب سے تمہیں کیپٹن کا اعزاز ملا ہے تم بہت مغرور ہو گئے ہو۔“ اُس نے کہا۔

”مگر سنئے تو محترمہ.....!“ حمید بڑی سنجیدگی سے بولا۔ ”اس وقت مجھے جو اعزاز نصیب ہوا

ہے جلد بازی کی صورت میں اُسے کھونا پڑتا بھی ابھی دوسروں کا بھی انجام دیکھ چکا ہوں۔“

”بڑے چالاک ہو۔“ شاہینہ مسکرا کر بولی۔ ”ان لوگوں سے تو میں تنگ آ گئی ہوں۔ خواہ مخواہ

بور کرتے ہیں۔ اس وقت یہ کہہ کر جان بچائی ہے کہ مجھے کچھ لڑکیوں کا انتظار ہے اور سناؤ تم آج

کل کیا کر رہے ہو؟“

”شادی کی فکر کر رہا ہوں۔“

”جھک مار رہے ہو۔“ شاہینہ مسکرا کر بولی۔

”جھک مارنا تو ہے ہی۔“ حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ ”اس سلسلے میں سینکڑوں نجومیوں کو ہاتھ

دکھائے جب اُن پر سے اعتماد اٹھ گیا تو خود ہی علم نجوم کا مطالعہ شروع کر دیا۔ لہذا اب یہ عالم ہے

کہ میں اپنی پچھلی سات پشتوں کی شادیوں کا بھی پتہ لگا سکتا ہوں۔“

شاہینہ ہنسنے لگی۔

”تم مذاق سمجھتی ہو۔ اچھا آزما کر دیکھ لو۔ اگر کچھ غلط بتاؤں تو اسی میز پر مر غائبادینا۔“

”تم بھی بور کرو گے شاید.....!“

”دیکھو تاؤ نہ دلاؤ مجھے۔“ حمید اپنی جیب سے ایک سادے کاغذ کا ٹکڑا اور فاؤنٹین پین نکال کر

اُس کے سامنے پٹختا ہوا بولا۔ ”لکھو.....!“

”کیا لکھوں؟“

”تاریخ پیدائش اور والدین کے نام.....!“

”اُس سے کیا ہوگا؟“

”ابھی کچھ کہہ دوں گا تو چننا کر اٹھ جاؤ گی۔“ حمید جھلا کر بولا۔

”آخر کچھ بتاؤ بھی تو کیپٹن مکی ماؤس..... لٹل ڈیزر۔“ اُس نے چھیڑنے والے انداز میں کہا۔

”دیکھو! آج کل میرا موڈ بہت خراب رہتا ہے اور میں کسی کی بھی مروت نہیں کرتا۔“

”اچھا تو اب تمہارا موڈ بھی خراب رہنے لگا ہے؟“

”میں کہہ رہا ہوں مجھے چڑاؤ مت....!“

”مگر ڈیرم! تاریخ پیدائش کس لئے؟“

”اگر کوئی پاسٹ تاریخ پیدائش یا عمر کے بغیر کچھ بتائے تو وہ اُلوکا پٹھا ہے۔“

”مگر والدین کا نام....؟“

”میں نجوم اور پاستری دونوں کو ساتھ لے کر چلتا ہوں۔ ایک دائیں جیب میں اور دوسری بائیں جیب میں۔“

شاہینہ فاؤنٹین بن اٹھا کر ہنستی ہوئی لکھنے لگی۔

حمید کاغذ ہاتھ میں لئے کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا پھر اٹھتا ہوا بولا۔

”اچھا تو میں ذرا غسل خانے میں ہولوں.... تاکہ اطمینان سے....!“

”واقعی آج کل سب کے ہوئے معلوم ہو رہے ہو۔“ شاہینہ مضحکہ اڑانے والے انداز میں مسکرائی۔

حمید وہاں سے اٹھ کر غسل خانے میں آیا اور جیب سے فریدی کا دیا ہوا خط نکال کر اُس سے شاہینہ کی تحریر ملانے لگا۔

اُسے مایوسی نہیں ہوئی اور وہ فریدی کے ذہن رسا کی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکا۔ دونوں تحریریں سو فیصدی ایک ہی ہاتھ کی تھیں۔

وہ سکیوں کے سے انداز میں غسل خانے سے واپس آکر بیٹھ گیا۔ چند لمبے بیٹھا تاریخ پیدائش

والے کاغذ سے پکھا جھلٹا رہا۔ پھر چونک کر شاہینہ سے بولا۔ ”بایاں ہاتھ لاؤ۔“

شاہینہ نے بایاں ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”واقعی تم بور ہو گئے ہو۔“

”تو اس وقت تمہاری عمر پچیس سال ہے۔“ حمید بڑبڑایا اور فاؤنٹین پن اٹھا کر اُس کی عمر کی

لکیر پر کچھ نشانات لگائے۔ چند لمبے پیشانی پر شکنیں ڈالے اُس کی ہتھیلی پر نظریں جمائے رہا پھر

بولا۔ ”آج کل تمہارا ماضی تمہارے لئے تکلیف دہ ہو رہا ہے۔“

”کیا مطلب....؟“ شاہینہ نے چونک کر اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

حمید خلا میں گھورتا ہوا سکیوں کی طرح بڑبڑاتا رہا۔ ”ماضی کی بدولت مالی نقصان کا پتہ چلتا

ہے۔ تم آج کل بہت زیادہ پریشان ہو۔ ماضی کا اثر حال پر پڑنے کا اندیشہ ہے... ذرا ہاتھ پھر دینا۔“

اس نے بدستور خلا میں گھورتے ہوئے شاہینہ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ پھر چونک کر اُس کے

چہرے پر نظر جمادی۔

”کیوں.... کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟“ اُس نے آہستہ سے پوچھا۔ ”میں نے بالکل ٹھیک کہا

ہے۔ تمہارے چہرے پر پریشانی کے آثار ہیں۔“

”تم نے سچ بچا کر دیا۔“ شاہینہ جلدی جلدی سانس لیتی ہوئی بولی۔ ”میں بڑے اچھے موڈ میں تھی۔“

”کیا اس موجودہ پریشانی سے نجات حاصل کرنے کو دل نہیں چاہتا؟“ حمید نے نرم لہجے

میں پوچھا۔

وہ آنکھیں پھاڑ کر حمید کو گھورنے لگی۔

”آخر تمہارے دل میں کیا ہے؟“ اُس نے ہونٹوں پر زبان پھیر کر آہستہ سے پوچھا۔

”تمہیں آج کل کوئی بلیک میل کر رہا ہے ننھی بچی!“

شاہینہ گھبرا کر اپنی ہتھیلی کی طرف دیکھنے لگی۔ بالکل اسی انداز میں جیسے ہتھیلی کی ساری

لکیروں کو منادینے کا ارادہ رکھتی ہو۔

”کیوں کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟“

شاہینہ تھوک نگل کر رہ گئی پھر سر جھکا لیا۔

”کیا تم حمید پر اعتماد نہیں کرتیں... ایسے معاملات میں وہ مر جانے کی حد تک سنجیدہ ہو جاتا ہے۔“

”یہاں سے کہیں اور چلو۔“ وہ اُسکے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر آہستہ سے بولی اور اب وہ اس طرح

گھبرائی ہوئی نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی جیسے اُس کے جسم کا کوئی حصہ کھل گیا ہو۔

”کہاں چلو گی؟“

”کہیں بھی.... جہاں بھیڑ بھاڑ نہ ہو۔“

”کافے کا سینو کا کوئی کیبن ہی مناسب ہو گا۔“ حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔

وہ دونوں وہاں سے اٹھ گئے۔ شاہینہ کے شناساؤں میں سرگوشیاں ہونے لگیں۔ لیکن اُس

نے کسی طرف دیکھا تک نہیں۔

حمید نے ایک ٹیکسی کی اور وہ کافے کا سینو کی طرف روانہ ہو گئے۔ حمید اُس کی پھولتی ہوئی

سانس محسوس کر رہا تھا لیکن اُس نے اُسے چیخڑنا مناسب نہ سمجھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ خود ہی بولی۔

”میں سچ بچ بہت پریشان ہوں.... بہت زیادہ.... لیکن تم سے بھی خوف معلوم ہوتا ہے۔“

”کیوں.... مجھ سے خوف کی وجہ؟“

”کیونکہ تم سرکاری آدمی ہو.... ڈر ہے کہیں بات کا ہنگڑ نہ بن جائے۔“

”کیا تم مجھے اتنا احمق سمجھتی ہو۔ اگر تمہارا کوئی کام ہے تو میں اُسے نجی طور پر کروں گا۔ یہ

بھی عجیب اتفاق ہے ورنہ شاید ہم پچھلے چھ ماہ سے نہیں ملے۔“

”کیا ہاتھ کی لکیریں اتنی سچی باتیں بتا سکتی ہیں؟“

”میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں۔“ حمید پاپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔ ”نجوم اور پامسٹری کو گڈنڈ کر کے میں ہمیشہ صحیح نتائج اخذ کرتا ہوں۔“

شاہینہ کچھ نہیں بولی۔ دونوں نے بقیہ راستہ خاموشی ہی سے طے کیا۔

کافے کاسینو میں زیادہ بھیڑ نہیں تھی۔ وہ ایک الگ تھلگ فیملی کیمین میں جا بیٹھے۔

”واقعی مجھے بلیک میل کیا جا رہا ہے۔“ وہ تھوڑی دیر بعد بولی۔ ”اور میں اب تک پندرہ ہزار روپے بھگت چکی ہوں۔ یہ سلسلہ کہاں ختم ہوگا.... خدا ہی جانے۔“

”بلیک میلنگ کی وجہ؟“ حمید نے ہمدردانہ لہجے میں پوچھا۔

”وجہ بھی بتانی پڑے گی۔“ شاہینہ جھینپی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

”اگر ضرورت سمجھو تو بتا دو.... ورنہ میں مجبور نہیں کروں گا۔“ حمید نے لاپرواہی سے کہا۔

”بات زیادہ اہم نہیں ہے.... لیکن.... میں نہیں چاہتی کہ میرے شوہر کے دل میں میری طرف سے ذرا سی بھی خلش پیدا ہو۔ میں اُسے بے حد پسند کرتی ہوں۔ وہ عورتوں کے معاملے میں بالکل بچہ ہے۔ بالکل بچہ.... میں اُس سے بے تحاشہ محبت کرتی ہوں۔ وہ میرے متعلق ذرا ذرا سی باتیں جانتا چاہتا ہے۔ شکی مزاج کا ہے۔ مگر جنسی معاملات میں اُس نے مجھے پوری پوری آزادی دے رکھی ہے مگر وہ پھر بھی میری طرف سے مشکوک رہتا ہے۔ مجھ پر اعتماد کرتا بھی ہے اور نہیں بھی کرتا۔ ہم دونوں آمنے سامنے بیٹھے ہوئے گفتگو کر رہے ہیں۔ اگر وہ ہمیں اس طرح دیکھ لے تو اُسے کوئی اعتراض نہیں ہوگا.... لیکن اگر میں تمہارے برابر بیٹھ جاؤں تو وہ بُری طرح بے چین نظر آنے لگے گا اور اُس وقت تک اُس کا اضطراب کم نہیں ہوگا جب تک کہ میں اٹھ نہ جاؤں۔“

”بہت بُری عادت ہے۔“ حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

”اچھی ہو یا بُری۔ مجھے پسند ہے.... مجھے اُس کی یہ عادت کسی ایسے بچے کی عادت معلوم ہوتی ہے جس نے اپنی ماں کی گود میں کسی دوسرے کا بچہ دیکھ لیا ہو۔“

”اوہ خطرناک مرض! تم مامتا والے کو مپلکس کا شکار ہو۔“

”ختم کرو۔“ وہ ہاتھ جھٹک کر بولی۔ ”میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ وہ میری ٹوہ میں رہتا ہے۔

اب اگر ایسی صورت میں اُس کی نظروں سے کوئی ایسی تصویر گزر جائے جس میں میرا بازو ایک

دوسرے مرد کے بازو میں ہو تو اُس کا کیا حال ہوگا.... حالانکہ یہ واقعہ شادی سے بہت پہلے کا ہے.... لیکن اُسے بہت دکھ پہنچے گا۔ میں اُس سے ابھی تک یہی کہتی رہی ہوں کہ میری زندگی میں اُس کے علاوہ اور کوئی نہیں داخل ہوا۔ اور یہ حقیقت بھی ہے لیکن وہ کسی دوسرے کے ساتھ میری تصویر ہرگز نہ دیکھ سکے گا۔“

”تو کیا تمہیں وہی بلیک میل کر رہا ہے جس کے ساتھ تمہاری تہہ یہ ہے؟“
 ”نہیں وہ بے چارہ تو کبھی کامرکھپ گیا۔ وہ پالٹ تھا.... ایک ہوائی حادثے میں اُس کا خاتمہ ہو گیا تھا۔“

”بڑی بے دردی سے اُس کا تذکرہ کر رہی ہو؟“
 ”اُس نے مجھے دھوکا دیا تھا۔ میں اُسے سچ مچ چاہتی تھی۔“
 ”چاہنے سے تو میں تنگ آ گیا ہوں۔ خیر.... تو پھر تمہیں کون بلیک میل کر رہا ہے؟“
 ”میں اُس کی شخصیت سے ناواقف ہوں۔ ابھی حال ہی میں اُس نے پھر دس ہزار کا مطالبہ کیا ہے لیکن میں کہاں تک ادا کرتی رہوں۔ مجھے اپنے شوہر پر رحم آتا ہے۔“
 ”تو وہ تمہارے سامنے آیا ہی نہیں۔“

”آیا تھا.... لیکن اُس نے اپنا نام نہیں بتایا۔ انتہائی پراسرار آدمی معلوم ہوتا ہے۔“
 ”حلیہ تو بتا سکو گی.... یا وہ بھی نہیں؟“
 ”ایک مولوی قسم کا انگریز۔ میں نے کسی داڑھی والے کو اتنا اسرار نہیں دیکھا۔ بے شک لباس۔ کالر دودھ کی طرح بے داغ۔ پتلون کی کریز تلوار کی دھار کی طرح اور شاید اُسے دستانے پہننے کا خبط ہے۔“

”دستانے....!“ حمید بے ساختہ اچھل پڑا۔



دس ہی بجے سے بوند باندی شروع ہو گئی تھی اور آسمان کا رنگ بتا رہا تھا کہ کسی وقت بھی تیز قسم کی بارش ہو سکتی ہے۔

شیکھر اور صفدر سیاہ سوٹوں میں ملبوس سڑک کے کنارے کھڑے شاید کسی کا انتظار کر رہے تھے۔ اُن کے ہاتھوں پر برساتیاں بھی تھیں۔

”کسی طرح اس چکر سے نکلتا ہی چاہئے۔“ صفدر بڑبڑایا۔

”یار تمہاری جلد بازی سے میں تنگ آ گیا ہوں۔“

”یاد رکھو شیکھر.... اسے لکھ لو! وہ ہمیں کسی زبردست جال میں پھانس رہا ہے۔ وہ ایک بہت بڑا شاطر ہونے کے باوجود بھی ہمیں کیوں اس آگ میں دھکیل رہا ہے۔ لڑکی کا اغواء ایک بہت ہی معمولی بات تھی۔ وہ ہمارے پیچھے عرصہ سے لگا رہا ہوگا۔ ورنہ اُس کے پاس اُس موقعہ کی تصویر کہاں سے آئی اور ہم نے تو اُسے ریوالور دکھا کر صرف اُس کی رقم چھینی تھی اور پھر تیسرے دن اخبارات میں ہمیں اُس کی لاش کی تصویر دکھائی دی۔ میرا دعویٰ ہے کہ اُسے اسی حرام زادے نے قتل کیا ہے۔ اُس موقعہ کی تصویر وہ پہلے ہی لے چکا ہوگا۔ اس کے بعد اُسے قتل کر کے ہماری گردنیں دیوچ لیں۔ ظاہر ہے اب ہم بالکل اُس کی مٹھی میں ہیں۔“

”میں سمجھتا ہوں....“ شیکھر بولا۔

”اس کے باوجود بھی تم آنکھیں بند کر کے اُس کے اشاروں پر ناپچ رہے ہو۔“

”یار میں تمہیں کس طرح سمجھاؤں۔“

”میں سمجھ چکا ہوں....!“ صفدر بولا۔ ”ہمارے سروں پر موت منڈلا رہی ہے۔“

”دیکھا جائے گا۔“ شیکھر جھلا کر بولا۔ ”کیا اس مصیبت کے ہم ذمہ دار ہیں۔ یہ بلا تو آسمان سے نازل ہوئی ہے۔“

”خیر....!“ صفدر خاموش ہو گیا۔

بوندیں رک گئیں تھیں۔ لیکن بادل اب بھی گرج رہے تھے۔

شاید دس ہی منٹ بعد سیاہ رنگ کی ایک لمبی سی کار اُن کے قریب آکر رک گئی اور اس میں سے ایک چھوٹا سا لڑکا اترا جس کے جسم سے چھیتڑے جھول رہے تھے۔ اُس نے اُن کی طرف ایک لفافہ بڑھایا اور بھاگتا ہوا قریب ہی کی ایک گلی میں گھس گیا۔

شیکھر نے بڑی بے صبری سے لفافہ چاک کیا۔

”پھر وہی ناپ کیا ہوا خط۔“ وہ آہستہ سے بڑبڑایا اور خط پڑھنے لگا۔

”تم دونوں مجھے دہیں ملو.... یا میں راستے ہی میں کہیں مل جاؤں گا.... اسی کار پر بیٹھ جاؤ۔“

خط اُس نے صفدر کی طرف بڑھادیا۔ صفدر خط پڑھ کر ہنس پڑا۔ لیکن اُس کی ہنسی بڑی زہریلی تھی۔

”کیا خیال ہے؟“ اُس نے شیکھر سے پوچھا۔ لہجے میں طنز تھا۔

”چلو بیٹھو! وہ بھی ہم سے خائف ہی ہے۔ جانتا ہے کہ موقع ملتے ہی ہم اُس کی گردن ناپ دیں گے۔“

دونوں کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ اُن کے بیٹھتے ہی کار بھی چل پڑی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ڈرائیور کو پہلے ہی سے ہدایات دے دی گئی ہوں۔ انہوں نے دو ایک بار ڈرائیور کو مخاطب کرنا چاہا لیکن ناکام رہے۔ اُس کا چہرہ تاریکی میں تھا اور اگر کہیں سامنے سے روشنی پڑتی بھی تھی تو وہ نیچے کی طرف جھک جاتا تھا۔

اُن دونوں نے محسوس کیا کہ وہ شہر کی روشن سڑکوں سے گزرنے سے گریز کر رہا ہے اور پھر وہ کار بالکل ہی شہر کے باہر نکل آئی۔ دونوں خاموشی سے بیٹھے رہے۔

کچھ دور چلنے کے بعد انہوں نے محسوس کیا کہ کار اب بھی شہر کی طرف مڑ رہی ہے۔ ڈرائیور غالباً وزیران علاقوں سے گزر کر شہر کے کسی مخصوص حصے میں پہنچنا چاہتا تھا۔ صفدر اور شیکھر خاموش تھے۔ صفدر نے دو ایک بار کچھ کہنے کی کوشش کی تھی لیکن شیکھر نے اُسے روک دیا۔

اچانک ایک جگہ کار رک گئی اور ڈرائیور نیچے اتر گیا۔
”اترو.....!“ اُس نے کہا اور اُس کی آواز سن کر وہ دونوں اچھل پڑے کیونکہ آواز اُس گمنام آدمی کے علاوہ اور کسی کی نہیں تھی۔

وہ دونوں چپ چاپ اتر آئے۔ لیکن پھر صفدر خاموش نہ رہ سکا۔
”آخر..... اس طرح.....!“

”فکر نہ کرو.....!“ اُس نے اُس کی بات کاٹ دی۔ ”ہر آدمی کا طریق کار الگ ہوتا ہے۔“
”اب بھی آپ ہم لوگوں پر اعتماد نہیں کر سکتے؟“ شیکھر نے احتجاجاً کہا۔

”اوہ..... کیوں نہیں۔ اس سے بدگمانی میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں۔ مجھے تم دونوں کی حفاظت کا بھی خیال ہے۔ اچھا دیکھو! ہم فریدی کی کوٹھی سے صرف ایک فرلانگ کے فاصلے پر ہیں۔ یعنی ہم کوٹھی کی پشت پر ہیں۔ پہلے ہمیں ایک چہار دیواری سے گزرنا پڑے گا جس کے اندر باغات.... کا سلسلہ ہے اور کوٹھی وسط میں واقع ہے۔ کوٹھی تک پہنچنے کے لئے چہار دیواری سے تقریباً ایک فرلانگ کا راستہ طے کرنا پڑے گا۔“

دونوں چپ چاپ اُس کے ساتھ چل پڑے۔ یہاں چاروں طرف تاریکی کی حکمرانی تھی۔
”بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔“ گمنام آدمی بولا۔ ”وہاں صرف کتوں ہی سے ڈبھیز کا

اندیشہ ہے۔ خیر اس کا انتظام میں نے کر لیا ہے۔“
”کیا انتظام کر لیا ہے؟“ شیکھر نے پوچھا۔

”وہ سب تمہیں سوتے اور اونگھتے ہوئے ملیں گے۔ میں نے انہیں ایک نشہ آور دوا دلوادی ہے۔“ وہ پھر خاموشی سے راستہ طے کرنے لگے۔

چہار دیواری کے نیچے پہنچ کر وہ رک گئے۔ تھوڑی دیر تک اُن میں سرگوشیاں ہوتی رہیں۔ پھر گنم آدمی نے ایک پتلی سی ڈور کا لچھا نکال کر ایک درخت کی شاخ کی طرف اچھال دیا۔ شاخ میں پھندا پڑ گیا۔ اُس نے رسی کو کھینچ کر پھندے کی مضبوطی کا اندازہ لگایا اور پھر صفدر رسی پکڑ کر دیوار پر چڑھنے لگا لیکن اُس نے جیسے ہی دیوار کے اوپر پہنچ کر پیر لگائے اندر سے ایک فائر ہوا۔ اس کے بعد اُس کے ساتھیوں نے نہ صرف اُس کی چیخ سنی بلکہ اُسے دوسری طرف گرتے بھی دیکھا۔ ”بھاگو...!“ گنم آدمی نے شیکھر کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا... اور وہ تاریکی میں دوڑتے چلے گئے۔

دوشکار

فریدی شام کو کہیں جانے کے لئے تیار ہوا ہی تھا کہ اُسے نوکروں سے ایک اطلاع ملی۔ انہوں نے بتایا کہ سارے کتے شام کا راتب کھانے کے بعد سے اونگھ رہے ہیں۔ اگر حالات دوسرے نہ ہوتے تو فریدی شاید اُس کے متعلق کچھ سوچنا بھی پسند نہ کرتا۔ واقعی اُس نے کتوں کی حالت اتر پائی۔ راتب کے بچے کچھ حصے میں سے اُس نے کچھ اپنی تجربہ گاہ میں پہنچوا دیا اور پھر اُس کا تجزیہ کرنے کے بعد اُس نے اندازہ لگایا کہ وہ شام ایسی نہیں جسے گھر سے باہر گزارا جائے۔

نہ تو اُس نے نوکروں سے باز پر کی اور نہ کسی قسم کی تشویش کا اظہار کیا۔ ایک نوکر کے استفسار پر اُس نے جواب دیا۔ ”راتب تو ٹھیک ہی تھا۔ شاید یہ موسم کا اثر ہے۔ ٹھیک ہو جائیں گے۔“ لیکن یہ فریدی کے نوکر تھے۔ اُن کی تشفی نہ ہوئی۔ اُن میں سے ہر ایک اپنی صفائی پیش کرنے لگا۔

”فکر نہ کرو۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”اگر کچھ ہے بھی تو میں اس کا ڈھنڈورا نہیں پیٹتا چاہتا اور تم مطمئن رہو۔ مجھے تم سب پر اعتماد ہے یہ حرکت میرے کسی آدمی کی نہیں۔ خیر ویسے یہ بتاؤ کیا راتب کا گوشت دھویا بھی جاتا ہے؟“

”نہیں سرکار...!“ باورچی بولا۔ ”وہ تو آپ ہی نے منع کر دیا تھا۔“

”ٹھیک.... جو کچھ تھا گوشت ہی میں تھا۔“

نوکر وقتی طور پر مطمئن ہو کر اپنے کاموں میں لگ گئے اور فریدی بھی بظاہر بے فکر نظر آنے لگا۔ لیکن اُس نے باہر جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا۔

حمید اس واقعے سے پہلے ہی جا چکا تھا۔ اُسے اس بات کا علم نہیں تھا۔ لہذا جب وہ گیارہ بجے کے قریب شاہینہ سے مل کر واپس آیا تو کمپاؤنڈ میں قدم رکھتے ہی اُسے کچھ عجیب سا احساس ہوا۔ وہ پھانک ہی پر رک گیا۔ آخر کیا بات ہے؟ وہ سوچنے لگا۔ عجیب قسم کا سناٹا تھا۔ پھر اچانک اُسے خیال آیا کہ آج رکھوالی کرنے والے السیشن کتے غرائے تک نہیں۔

سامنے برآمدے کا بلب روشن تھا۔ وہ بہت تیز چلتا ہوا پورچ تک آیا۔ یہاں ایک نوکر سے سے مڈ بھٹیر ہو گئی۔ وہ دبے قدموں چلتا ہوا شاگرد پیٹھے کی طرف جا رہا تھا۔

”کیا بات ہے؟“ حمید نے اُسے روک کر پوچھا۔

”صاحب کچھ گڑبڑ ہے۔ صاحب ادھر پیچھے ہیں۔“

”لڑکی کہاں ہے؟“ حمید نے بے ساختہ پوچھا۔

”صاحب نے اُسے کمرے میں بند کر دیا ہے۔ کتے سو رہے ہیں۔“

”کتوں کو میں نے کب پوچھا تھا ہے۔“ حمید نے اُس کی گردن پکڑ لی۔ وہ سمجھا شاید وہ اُس کا مذاق اڑانے کی کوشش کر رہا ہے۔

”ارے سرکار.... خدا کی قسم اُن میں کچھ گھٹلا ہو گیا ہے۔“

”اوہ....!“ حمید گردن چھوڑتا ہوا بولا۔ ”وہ ادھر اکیلے ہی ہیں؟“

”جی ہاں....!“

معاملہ کچھ کچھ حمید کی سمجھ میں آرہا تھا۔ وہ تیزی سے اندر گیا اور پھر اپنا ریوالبور لے کر وہ بھی کوٹھی کی پشت کی طرف چل پڑا۔ ادھر تاریکی کا راج تھا۔ ایسی حالت میں یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ فریدی تک پہنچ ہی جاتا۔ معلوم نہیں وہ کہاں رہا ہو۔

حمید جیسے ہی عمارت کی پشت پر پہنچا اُس نے ایک فائر کی آواز سنی ساتھ ہی کسی کی چیخ سناٹے میں لہرا کر رہ گئی اور پھر شاید وہ کسی وزنی چیز کے بلندی سے گرنے کی آواز تھی۔

کوئی دوڑ رہا تھا۔ حمید بھی آواز کی طرف جھپٹا۔

آخری سرے پر چہار دیواری کے نیچے اُسے ایک دھندلا سا انسانی سایہ دکھائی دیا۔ اُس نے ریوالبور کے دستے پر اپنی گرفت مضبوط کر لی اور اُس نے بھی دوڑنا شروع کر دیا تھا۔

”کون ہے؟“ فریدی کی جھلائی ہوئی آواز فضا میں گونج کر رہ گئی۔

”مم.... میں ہوں....!“ حمید کے حلق سے پھنسی ہوئی آواز نکلی۔

فریدی جھپٹ کر اُس کے قریب آیا اور اُس کا کالر پکڑ کر جھنجھوڑتا ہوا بولا۔ ”تم نے فائر

کیوں کیا؟“

”میں نے....!“ حمید نے حیرت سے کہا۔ ”نہیں خدا کی قسم.... ہر گز نہیں۔“

فریدی نے اُس کا ریوالتور چھین کر اُس کی نال سونگھی اور پھر اُسے واپس کرتا ہوا بولا۔ ”پھر

کس نے فائر کیا۔ اچھا تم وہیں اس کے پاس ٹھہرو۔ میں ابھی آیا۔“ فریدی اُس کے ہاتھ میں نارچ

دے کر بھاگتا ہوا کونٹھی کی طرف چلا گیا۔

حمید دیوار کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ نارچ روشن کی۔ اُس کے سامنے ایک سیاہ پوش آدمی

پیٹ کے بل زمین پر پڑا ہوا تھا۔ اُس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ شاید وہ کہنیاں ٹیک کر اٹھنے کی

کوشش کر رہا تھا۔ حمید اُسے سہارا دینے کے لئے جھکا ہی تھا کہ اُسے فریدی کی آواز سنائی دی۔

”ٹھہرو....!“ وہ اُس کے قریب پہنچ گیا۔

پھر جیسے ہی اُس نے زخمی آدمی کو سیدھا کیا۔ حمید کے منہ سے ہلکی سی تحیر زدہ آواز نکلی۔

”ارے یہ تو صفر ہے۔“ اُس نے آہستہ سے کہا۔

فریدی اُس پر جھکا ہوا تھا۔ چند لمحوں بعد اُس نے کہا۔ ”گولی ران میں لگی ہے۔“

”لیکن فائر کس نے کیا؟ میرا دعویٰ ہے کہ فائر اندر ہی سے ہوا ہے۔ آواز رانٹل کی تھی۔“

فریدی بولا۔

”لیکن یہ تھا کہاں....؟“

فریدی نے دیوار کے اوپری حصے کی طرف انگلی اٹھائی۔

نارچ کی روشنی میں حمید کو ایک پتلی سی ڈور دکھائی دی جو ایک درخت کی شاخ سے الجھی ہوئی

دیوار کی دوسری جانب جھول رہی تھی۔

”رشید اور سلیمان کو بلاؤ۔“ فریدی نے حمید سے کہا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد صفر کو کونٹھی میں ایک صوفے پر پڑا کر رہا تھا۔ فریدی اور حمید کے

ساتھ وہاں گونگی لڑکی بھی موجود تھی۔

فریدی نے اشارے سے پوچھا کہ کیا وہ صفر کو پہچانتی ہے۔ لڑکی نے نفی میں سر ہلادیا۔

”صفر....!“ فریدی نے صفر کو مخاطب کیا۔ ”بہتر یہی ہے کہ تم پولیس کے آنے سے

قبل مجھے بیان دے دو۔ اتنا تو میں جانتا ہوں کہ تم نے خود سے کبھی یہاں آنے کی جرأت نہ کی ہوگی۔“

”میں بتا دوں گا۔“ صفدر کراہا۔ ”میں بتاتا ہوں.... وہ کمینہ.... مکار....!“

”کیا اس لڑکی کو اغوا کرنے والوں کے ساتھ تم بھی تھے؟“

”تھا....!“ صفدر زور سے کراہا۔

”اور کون تھا تمہارے ساتھ....؟“

”شیکھر....!“

”کیا یہ تم نے کسی دوسرے کے کہنے سے کیا تھا....؟“

”اُف.... ہاں.... وہ سور کا بچہ۔“

”کون....!“

”میں نہیں جانتا.... اُس نے اپنا نام آج تک نہیں بتایا۔ ذرا.... ٹھہریے.... پانی.... آہ۔“

اُس کے لئے فوراً پانی لایا گیا۔ اتنی دیر میں وہ نوکر بھی واپس آگئے جنہیں فریدی نے کوٹھی کا

کونا کونا چھان مارنے کا حکم دیا تھا.... اُن میں سے ایک کے ہاتھ میں ایک زرا نفل تھی۔

”صاحب یہ چھت پر ملی ہے۔!“ اُس نے فریدی سے کہا۔

”کیا.... یہ تو میری ہی ہے۔“ فریدی اُسے اس کے ہاتھ سے لیتا ہوا بولا۔ پھر وہ اُس کی نال

سو نگھ کر حمید سے مخاطب ہوا۔ ”تھوڑی ہی دیر قبل یہ چلائی گئی ہے۔ ذرا تم.... دیکھو....!“ حمید

نوکروں کے ساتھ باہر چلا گیا۔

صفدر انتہائی تکلیف کے عالم میں ہونے کے باوجود بھی انہیں حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

”ہاں تم ابھی کسی آدمی کا تذکرہ کر رہے تھے۔“ فریدی نے کہا۔

”کیا آپ نے اُس لڑکی سے.... اُف.... نہیں پوچھا.... کہ یہ سب.... کیا.... ہو رہا ہے؟“

”یہ لڑکی گو گئی ہے۔“ فریدی بولا۔

”گو گئی....!“ صفدر تقریباً چیخ پڑا۔ پھر اس طرح بڑبڑانے لگا۔ جیسے خود سے مخاطب ہو۔

”آخر.... وہ اسے کیوں.... اغواء کرنا چاہتا ہے۔“

”تم نے ابھی تک اُس آدمی کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔“ فریدی نے اُسے ٹوکا۔

صفدر نے سسکیوں اور کراہوں کے درمیان میں انک انک کر اُس پُر اسرار آدمی کی داستان

دہرا دی جس نے اُسے اور اُسکے ساتھی کو بلیک میل کر کے پھانس لیا تھا۔ فریدی غور سے سنتا رہا۔ جب

صفدر خاموش ہوا تو اُس نے پوچھا۔ ”تو کیا سچ مچ تم دونوں نے اُس آدمی کو مار ڈالا تھا....؟“

”ہرگز نہیں.... ہم نے ریوالور دکھا کر صرف اُس کے روپے چھینے تھے۔ پھر دوسرے یا تیسرے دن ہم نے اخبارات میں اُس کی لاش کی تصویر دیکھی۔ میرا دعویٰ ہے کہ اُس مردود نے محض ہمیں بلیک میل کرنے کے لئے اُس آدمی کو مار ڈالا۔“

”ہو سکتا ہے۔ مگر کیا میں اس داستان پر واقعی یقین کر لوں؟“

”سنئے.... میں اُس آدمی کے چکر میں پھنسنے پر پھانسی کو ترجیح دینا پسند کروں گا۔ لیکن ٹھہریئے.... آپ لوگوں کی گفتگو سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ مجھ پر آپ میں سے کسی نے گولی نہیں چلائی۔“

”ہاں.... یہ حقیقت ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”آہ.... تب تو یہ اُسی.... نطفہ حرام کی حرکت معلوم ہوتی ہے۔ اب ہم سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہے.... ہمیں یہاں لا کر اس لئے قتل کرنا چاہتا تھا کہ.... آہ.... اُف.... اب میری قوت برداشت جواب دے رہی ہے.... پولیس کب آئے گی؟“

”بس آرہی رہی ہوگی.... لیکن.... تم کیا کہنا چاہتے تھے۔ وہ تمہیں یہاں لا کر....!“

”جی ہاں.... تاکہ آپ اسے صفدر اور شیکھر کی حرکت سمجھ کر کوئی اہمیت نہ دیں۔ مگر میں کہتا ہوں کہ یہ کوئی بہت گہرا راز ہے آخر وہ ایک گونگی لڑکی کے لئے اتنا روپیہ پانی کی طرح کیوں بہا رہا ہے۔“

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر اُس نے کہا۔ ”کیا تم مجھے اُس آدمی کا حلیہ بھی نہ بتا سکو گے؟“

”اوہ حلیہ....!“ صفدر کرہا۔ ”حلیہ عجیب ہے۔ شکل ملاؤں جیسی اور لباس انگریزی۔ داڑھی بھورے رنگ کی۔ آنکھوں پر سیاہ شیشوں کی عینک لگاتا ہے اور ہاں سب سے زیادہ عجیب بات یہ کہ اس سڑی گرمی میں بھی میں نے ابھی تک اُسے دستانوں کے بغیر نہیں دیکھا۔“

”کس کے بغیر....؟“ فریدی کے لہجے میں حیرت تھی۔

”دستانے.... دستانے.... وہ آج کل بھی دستانے پہنتا ہے۔“

فریدی نے ایک گہری سانس لی اور گونگی لڑکی کی طرف دیکھنے لگا جو صفدر کے زخم پر نظر جمائے کھڑی تھی۔

”مگر سنو تو....!“ فریدی نے کچھ دیر بعد صفدر سے کہا۔ ”وہ آدمی تو تمہارے ساتھ تھا....“

پھر یہاں سے گولی کس نے چلائی ہوگی۔“

”اُس کے لئے کیا مشکل ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اُس نے آپ ہی کے کسی آدمی کو پھانس لیا ہو۔“

بلیک میلر تو ہے ہی۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے کہا۔ ”اچھا صفدر میں تم پر یقین کیے لیتا ہوں۔ لیکن میں پولیس کو جو کچھ بھی بیان دوں تم اُس کی تردید نہ کرنا۔ میری رپورٹ میں یہ ہوگا کہ میں نے ہی تم پر گولی چلائی تھی اور تم یہ بیان دو گے کہ تم یہاں چوری کی نیت سے آئے تھے۔ سمجھ گئے.... اگر تم نے اس کے خلاف کیا تو تمہارے ساتھی شیکھر کی موت لازمی ہو جائے گی۔“

”میں سمجھ گیا.... آپ جو کچھ کہیں میں کرنے کو تیار ہوں۔ موت اور جیل خانے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اپنے جرائم کا اعتراف کرنے کے بعد میں پھانسی کا مستحق نہیں قرار دیا جاسکتا۔ لیکن اُس خطرناک آدمی سے اشتراک کرنا موت کو دعوت دینا ہے۔“

ابھی گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ انسپٹر جگدیش ایک سب انسپٹر اور تین چار کانسیبلوں کے ساتھ آگیا۔

صفدر کا بیان وہی تھا جو اُسے چند منٹ پیشتر فریدی نے بتایا تھا اور فریدی نے بھی یہی بیان دیا کہ میں نے اُسے اپنا کوئی دشمن سمجھ کر فائر کر دیا تھا۔

بیانات ختم ہو جانے کے بعد جگدیش نے صفدر کو اٹھوا کر ایک ایسولینس کار میں ڈلوادیا جو کوٹھی کی کپاؤنڈ میں کھڑی تھی۔

حمید نے عمارت اور کپاؤنڈ کا چپہ چپہ چھان مارا مگر کوئی ایسا سراغ نہ ملا جس سے گولی چلانے والی شخصیت پر روشنی پڑ سکتی۔

وہ تھکا ہارا واپس آگیا۔ کمرے میں فریدی اور گوگٹی لڑکی کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ وہ ایک کرسی پر بیٹھے بیٹھے سو گئی تھی اور فریدی ٹہل رہا تھا۔

”حیرت ہے۔“ حمید بڑبڑایا۔ ”جہاں رائفل پڑی پائی گئی تھی وہاں بھی کسی قسم کے نشانات نہیں ملے۔“

”ہوں....!“ فریدی رک کر اُسے گھورنے لگا۔ اُس کے ہونٹ بھنجے ہوئے تھے اور آنکھیں سرخ تھیں۔ حمید بوکھلا گیا۔ وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”فکر نہ کرو کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔“

”یہ محترمہ یہیں سو گئیں۔“ حمید نے لڑکی کی طرف دیکھ کر کہا۔

”حمید صاحب! یا تو یہ لڑکی پکی فراڈ ہے یا پھر.... بہر حال دوسری صورت میں ہمیں اسے

انسان نہ سمجھنا چاہئے۔“

”کیوں....؟“

”میں نے دلیر سے دلیر عورتوں کو بھی کشت و خون کے موقعوں پر کانپتے دیکھا ہے۔ مگر اس لڑکی کے چہرے پر ذرہ برابر بھی تغیر نہیں دکھائی دیا۔“

”ہو گا....!“ حمید لا پرواہی سے بولا۔ ”مجھے تو یہ پاگل بھی معلوم ہوتی ہے۔ ہاں صفدر نے کیا بیان دیا؟“

”سن کر تمہارے سر کے بال کھڑے ہو جائیں گے۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔

”یعنی....؟“

”اُسے ایک ایسے آدمی نے اس کام پر لگایا تھا جو گرمیوں میں بھی دستانے پہنتا ہے۔“

”اور داڑھی....؟“ حمید بے ساختہ بولا۔

”جناب.... داڑھی بدستور....!“

”اچھا تو اب دوسری خبر کے لئے بھی تیار ہو جائیے۔“ حمید نے کہا۔

”وہ کیا....؟“

”شاہینہ کو حقیقتاً بلیک میل کیا جا رہا ہے۔“ حمید نے کہا اور واقعات دہرا دیئے۔ وہ اپنی تدبیر کا تذکرہ داد طلب انداز میں کر رہا تھا۔

”میرے ہی شاگرد ہو۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”اب آگے سنئے۔“

”کیا سناؤ گے؟“ فریدی بے اختیار مسکرا پڑا۔ ”یہی ناکہ اُسے بلیک میل کرنے والا بھی گرمیوں میں دستانے پہنتا ہے اور داڑھی بدستور....!“

”آپ کو کیسے معلوم ہوا؟“

”محض قیاس....!“



”شیکھر بے تحاشہ بھاگ رہا تھا۔ اُس کے پُر اسرار ساتھی نے اُسے کچھ سمجھنے بوجھنے کی مہلت ہی نہیں دی تھی۔ بس وہ اُس کا ہاتھ تھامے ہوئے بے تحاشہ دوڑ رہا تھا۔“

کار کے قریب پہنچ کر اُس نے شیکھر کو اندر دھکیل دیا اور خود بھی اچھل کر بیٹھتے ہوئے کار اشارت کر دی۔ جب شیکھر کو کچھ ہوش آیا تو اُسے اُس کی اس حرکت پر غصہ آنے لگا۔

”یہ تم نے کیا کیا؟“

”پھر کیا کرتا.... کیا تم بھی مرنا چاہتے تھے؟“

”تم عجیب آدمی ہو۔“ شیکھر جھلا گیا۔

”ہاں.... ہوں تو عجیب ہی۔“

”کیا یہ ضروری ہے کہ وہ مر ہی گیا ہو۔“

”فریدی کا نشانہ کبھی خطا نہیں کرتا۔ تم لوگوں نے اُس رات اُس پر فائر کر کے اچھا نہیں کیا تھا۔“
شیکھر کا خون کھول رہا تھا۔

”تو اپنے ساتھیوں کے ساتھ تمہارا یہی برتاؤ ہوتا ہے؟“

”مجبوری میرے دوست....!“

”تم تو بہت بہادر بنتے تھے۔“

”لیکن بہادری اور حماقت میں بڑا فرق ہے۔ بہادر صرف وہ ہے جو شیر کی طرح بہادر اور
لوٹری کی طرح چالاک ہو۔“

”وہ تو سب ٹھیک ہے۔ لیکن اس وقت میں نے اپنا داہنا ہاتھ کھودیا۔ تم میرے بھائی کو موت
کے منہ میں جھونک آئے.... اس لئے....!“

شیکھر نے جیب سے ریوالور نکال کر اُس کے پہلو سے لگا دیا۔

”خوب....!“ گمنام آدمی ہنس پڑا۔ ”شاباش دبا دو ٹریگر....!“

شیکھر نے ٹریگر دبا دیا.... اور پھر دوسرے ہی لمحے میں اُس کے جسم سے ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ
چھوٹ پڑا۔ ریوالور خالی تھا۔

”چلو رکھ لو جیب میں.... میں اتنا احمق نہیں ہوں کہ تمہیں بھرا ہوا ریوالور لے کر اپنے
ساتھ چلنے دوں۔“

شیکھر چند لمحے خاموش رہا پر یکایک اُس پر دیوانگی کا دورہ پڑ گیا.... اُس نے گمنام آدمی کی
گردن دیوچ لی۔

کار ایک زبردست جھٹکے کے ساتھ رکی.... اور پھر.... سڑک کے نیچے اتر کر ایک درخت
سے جا ٹکرائی۔

شیکھر اور وہ دونوں بیک وقت چیخے.... اور پھر دوسرے لمحے میں گمنام آدمی کار کے باہر
تھا۔ حالانکہ شیکھر بھی زخمی ہو گیا لیکن وہ کسی نہ کسی طرح باہر نکل ہی آیا۔ اُس پر خون سوار ہو گیا

تھا۔ اُس نے پھر گنم آدمی پر چھلانگ لگائی... لیکن شیکھر کا ستارہ ہی گردش میں آ گیا تھا۔
تھوڑی دیر بعد اُس کی بے جان لاش زمین پر پڑی تھی اور گنم آدمی اُس کے قریب ہی کھڑا
ہانپ رہا تھا۔

اُس نے شیکھر کا گلا گھونٹ دیا تھا۔ چند لمحے وہ اسی طرح کھڑا رہا پھر شیکھر کی لاش اٹھا کر کار
میں ڈال دی۔

تھوڑی ہی دیر بعد کار کی ٹنکی ایک زبردست دھماکے کے ساتھ پھٹی اور اُس سے لپکیں
اٹھنے لگیں.... مگر وہ پُر اسرار آدمی اب وہاں نہیں تھا۔

دوسری صبح حمید دن چڑھے تک سوتا رہا۔ کچھلی رات شاید تین یا چار بجے وہ سویا تھا۔ قریب
قریب ساری رات بھاگ دوڑ میں گذر گئی تھی۔ صغدر کے بیان کی تصدیق کرنے کے لئے اُس
مکان پر بھی چھاپہ مارا گیا تھا جہاں پُر اسرار آدمی نے صغدر کو شہر چھوڑ دینے کا مشورہ دیا تھا۔
وہاں چھاپہ تو مارا گیا لیکن جس کی تلاش تھی وہ نہ ملانہ وہاں کوئی ایسی چیز ہی ملی جس سے اُس
کی شخصیت پر روشنی پڑتی۔ مالک مکان سے استفسار پر معلوم ہوا کہ دو ماہ قبل وہ مکان کرایہ پر
مکانات دینے والے ایک ایجنٹ کے سپرد کیا گیا تھا۔

پھر ایجنٹ نے ایک نئی بات بتائی۔ اُس کے بیان کے مطابق وہ مکان ایک برقعہ پوش خاتون
نے کرائے پر حاصل کیا تھا.... ایجنٹ کے کاغذات میں اُس کا نام مسز ارشاد تحریر تھا۔ ایجنٹ
عورت کا حلیہ نہ بتا سکا کیونکہ وہ اپنے چہرے پر نقاب ڈالے ہوئے تھی۔ اُس نے ایک سال کا پیشگی
کرایہ ادا کر کے وہ مکان حاصل کیا تھا۔

یہاں پہنچ کر تفتیش کی گاڑی ٹھپ ہو گئی۔ مکان کسی عورت کے قبضے میں تھا۔ لیکن وہاں
کوئی ایسی چیز نہ ملی جس سے یہ پتہ چلتا کہ یہاں کبھی کوئی عورت بھی رہی ہو گی۔

حمید اس تفتیش میں شریک تھا۔ فریدی نہیں آیا تھا۔ انسپکٹر جلدیش نے تو فریدی ہی کو لے
جانا تھا مگر وہ شاید لڑکی کو تنہا نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔

بہر حال حمید بُری طرح تھک جانے کے بعد سویا تھا۔

نوبے کے قریب خود بخود اُس کی نیند ٹوٹ گئی۔ دھوپ آنکھوں پر گراں گزر رہی تھی۔ اُس
نے پھر سونے کی کوشش کی لیکن نہ سوسکا۔

کمرے سے نکلا ہی تھا کہ ایک نوکر نے اُسے ایک حیرت انگیز خبر سنائی۔ لڑکی غائب تھی۔
حمید بوکھلا کر فریدی کے کمرے کی طرف بھاگا۔

لیکن فریدی کو اُس نے جس حال میں دیکھا وہ نوکر پر غصہ دلانے کے لئے کافی تھا۔ فریدی شاید آفس جانے کی تیاری کر رہا تھا اور اُس کے چہرے پر اس قسم کے آثار نہیں تھے جنہیں کسی غیر معمولی وقوعہ کا رد عمل سمجھا جاسکتا۔

”کیوں... کیا بات ہے؟“ فریدی نے پوچھا۔
 ”اب یہ کم بخت نوکر بھی مجھ سے مذاق کرنے لگے ہیں۔“
 ”کیا ہوا...؟“

”کچھ نہیں۔ میں بتاتا ہوں سور کو۔“ حمید واپس جانے کے لئے مڑنے لگا۔
 ”اوہو... بتاؤ نا کیا ہوا؟“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”کس نے مذاق کیا میرے شہزادے سے؟“
 ”آپ بھی گھنے کے موڈ میں ہیں۔“
 ”سمجھا! شاید تمہیں لڑکی کے غائب ہو جانے کی اطلاع ملی ہے۔“
 ”تو کیا اُس سور نے آپ ہی کے ایماء پر ایسا کیا ہے؟“
 ”برخوردار خاں...!“ وہ سچ مچ غائب ہو گئی۔

”اور آپ اتنے اطمینان سے...!“
 ”پھر.... کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں اُس کے پیچھے بھاگتا پھروں؟“
 ”آپ کو بالکل تشویش نہیں؟“ حمید نے حیرت سے کہا۔
 ”قطعی نہیں.... آؤ.... میرے ساتھ۔“ فریدی نے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔
 وہ اُس کمرے میں آئے جہاں وہ لڑکی سوتی تھی۔ حمید نے سنگار میز پر ایک کرسی رکھی ہوئی دیکھی۔ سنگار میز کے اوپر والے روشندان کا چوکھٹا نکلا ہوا فرش پر پڑا تھا۔
 دونوں چند لمحے خاموش کھڑے رہے پھر فریدی بولا۔
 ”تو حمید صاحب.... وہ اس طرح گئی۔“

”گئی یا لے جائی گئی؟“

”گئی...!“ فریدی نے زور دے کر کہا۔ ”دروازہ باہر سے بدستور مقفل ملا۔ اب تم دیکھو۔
 کہا اس روشندان سے دو آدمی بیک وقت نکل سکتے ہیں؟“
 لیکن کیا اُس سے اس قسم کی توقع کی جاسکتی ہے۔ روشندان سے نکل کر اگر وہ زمین پر کودی
 ”نڈیاں سلامت رہی ہوں گی۔“
 ... وہ روشندان سے نکل کر سیدھی چھت پر گئی اور پھر وہاں سے کسی

درخت کی شاخ کے ذریعے زمین پر پہنچ جانا کچھ مشکل نہیں۔“
”کیا وہ اسی قسم کی لڑکی تھی؟“

”بھی لڑکیوں کی قسم تم مجھ سے بہتر پہچان سکتے ہو!“

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ چاروں طرف متحسسانہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

”حمید صاحب....!“ فریدی مضحکہ اڑانے والے انداز میں بولا۔ ”مجھے خوشی ہے کہ تمہیں

اس سے عشق نہیں ہوا۔“

”میں نہیں سمجھ سکتا۔“ حمید بڑبڑایا۔

”کیا نہیں سمجھ سکتے؟“

”یہی کہ اس واقعے کے بعد بھی آپ کا موڈ بہت خوشگوار نظر آ رہا ہے۔ بلکہ آپ سدا بہار

معلوم ہو رہے ہیں۔ کہیں اُسے آپ کی وجہ سے تو نہیں بھاگنا پڑا....!“

”قطعی نہیں.... لیکن میں نے اُسے بھاگتے ضرور دیکھا ہے۔“

”کیا....؟“ حمید پر حیرت کا دوسرا پہاڑ گرا۔

”ہاں میں نے اُسے بھاگتے ہوئے دیکھا ہے! تم کیا یہ سمجھتے ہو کہ کل رات مجھے نیند آئی ہوگی؟“

”پہیلیاں نہ بھجوائے۔ مجھے الجھن ہو رہی ہے۔“

”وہ بڑی شاندار ایکٹر لیس تھی حمید صاحب اور کل رات ہی کو اُس سے ایک لغزش ہو گئی۔

ورنہ میں اس وقت بھی اُس کے متعلق دھوکے ہی میں رہتا۔“

”آخر آپ کس بناء پر ایسا کہہ رہے ہیں؟“

”صفدر کو زخمی دیکھ کر بھی اُس میں کسی قسم کا جذباتی تغیر نہیں ہوا تھا۔ اگر وہ گونگی تھی تب

بھی اُس کے حواس خمہ تو موجود ہی تھے قوت گویائی پر قادر نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی

حیات سے بھی محروم ہو جائے۔ اس کا وہ رویہ عجیب تھا اور پھر جب یہ بات سامنے آگئی تھی کہ

اُسے بوڑھے کے سپرد کرنے والا اور پھر اغواء کی اسکیم بنانے والا ایک ہی آدمی تھا تو میں کس طرح

مطمئن ہو جاتا۔“

”تو آپ نے اُسے نکل کیوں جانے دیا؟“

”پھر کیا کرتا....؟“ فریدی ہنسنے لگا۔ ”کیا تم سچ مچ اُس سے شادی کرنا چاہتے تھے؟“

”اچھا میں اب کچھ نہیں پوچھوں گا۔“ حمید نے جھلا کر کہا اور پھر اُس نے غسل خانے کی راہ

لی۔ لیکن فریدی کے رویئے نے اُسے الجھن میں مبتلا کر دیا تھا۔

آفس جانے سے قبل اُس نے حمید سے کہا۔

”شاہینہ سے پھر ملنا۔“

”کیوں....؟“

”کیا اُسے یو نہی چھوڑ دو گے؟“

”نہیں اُس کی دم میں ہوائی ڈاک کا لفافہ باندھ کر اڑا دوں گا۔“ حمید نے جھٹاکر کہا۔

”آج تمہارا موڈ اتنا خراب کیوں ہے؟“ فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

”مجھے ایک ماہ کی چھٹی چاہئے۔“

”مل جائے گی مگر اس کیس کے بعد۔“

”کیس.... کیا کیس؟“ حمید نے حیرت سے کہا۔ ”یہ معاملہ تو پولیس کے ہاتھ میں ہے۔“

”لیکن اُسے ہمارے محکمے تک آنا ہی پڑے گا۔“

”اگر آپ مجھے صاف صاف بتائیں گے تو....!“ حمید کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

”کیا پوچھنا چاہتے ہو؟“

”آپ نے لڑکی کو کیوں نکل جانے دیا؟“

”لڑکی تک تم اب بھی پہنچ سکتے ہو!“

”کیا مطلب....؟“

”اُس کی نگرانی ہو رہی ہے۔ کل رات ہی سے میری بلیک فورس اُس کا تعاقب کر رہی ہے۔“

”بلیک فورس.... مجھے آج تک نہ معلوم ہو سکا کہ آپ کی بلیک فورس ہے کیا بلا؟“

”کچھ ایسے آدمیوں کی ٹولی جن کا تعلق محکمے سے نہیں ہے۔“

”کیا میں انہیں جانتا ہوں؟“

”ہو سکتا ہے کہ واقف ہو لیکن تم یقین کے ساتھ کسی کے متعلق نہیں کہہ سکتے کہ وہ میری

بلیک فورس کا آدمی ہو گا۔“

”اس فورس کا قیام کب عمل میں آیا....؟“

”سالہا سال گزرے۔“

”اور حمید اُس کے ممبروں سے واقف نہیں۔“ حمید نے اپنا اوپر ہونٹ بھیج کر کہا۔

”فریدی کی ذات سے تعلق رکھنے والے ہزار ہا ایسے معاملات ہیں جن سے تم واقف نہیں

ہو۔ لیکن اس کا ہر گز یہ مطلب نہیں کہ فریدی کو تم پر اعتماد نہیں ہے۔“

حمید کو یہ بات گراں نہیں گذری۔ وہ اس سے پہلے بھی فریدی کی زبان سے سینکڑوں بار بلیک فورس کا نام سن چکا تھا اور اُس سے اس کے متعلق پوچھنا بھی چاہا تھا لیکن اُسے ہمیشہ ناکامی ہی ہوئی تھی۔ لہذا اس وقت وہ خود ہی اُسے ٹال گیا۔

”اگر آج تم آفس نہ آنا چاہو تو نہ آنا۔“ فریدی نے کہا اور باہر نکل گیا۔

حمید نے ایک طویل انگڑائی لی اور پھر لڑکی والے کمرے میں جاگھسا۔ کرسی سنگار میز پر اب بھی رکھی ہوئی تھی۔ وہ سوچنے لگا کہ کیا یہ سب ایک لڑکی کے لئے ممکن ہے۔ اگر وہ کرسی پر کھڑی بھی ہوئی ہوگی تو اُس کے ہاتھ روشن دان تک بمشکل پہنچے ہوں گے۔ ایسی صورت میں کسی دوسرے آدمی کی مدد کے بغیر روشندان سے صحیح و سلامت نکل جانا اگر معجزہ نہیں تو دشوار ترین ضرور ہو سکتا ہے۔

وہ اس کا عملی تجربہ کرنے کے لئے میز پر چڑھ گیا۔ پھر کرسی پر دوسرا پیر نہیں رکھ پایا تھا کہ کرسی الٹ گئی اور وہ فرش پر چاروں خانے چت گرا۔

”ناممکن.... قطعی ناممکن۔“ وہ اٹھ کر اپنا سر سہلاتا ہوا بڑبڑایا۔

پھر دوسری بار تجربہ کرنے کی ہمت نہیں پڑی۔

اب وہ سنگار میز کی درازیں الٹ پلٹ رہا تھا۔ اچانک اُن میں سے ایک میں اُسے اپنی ایک تصویر دکھائی دی۔ کیرہ فوٹو تھا۔ لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی شریر بچے نے اُس کی درگت بنائی ہو۔ پنسل سے داڑھی اور مونچھیں بنائی گئی تھیں اور سر پر پنسل ہی سے پگڑی لپٹنے کی کوشش کی گئی تھی۔

حمید نے اُس کے پرزے اڑا دیئے۔ اُسے ہنسی بھی آئی اور غصہ بھی۔ لیکن اب بھی اُس کا ذہن اُس کی پیچیدگیوں میں الجھا ہوا تھا۔ آخر وہ پُر اسرار آدمی چاہتا کیا ہے اور پھر سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ اس ڈرامے کے لئے فریدی کی کوٹھی کیوں منتخب کی گئی۔ کیا شاہینہ کا بھی ان واقعات سے کوئی تعلق ہو سکتا ہے۔

وہ سوچتا رہا لیکن اُس کا ذہن ان میں سے کسی بھی سوال کا جواب نہ دے سکا۔ پھر اُسے اُس پُر اسرار آدمی کی شخصیت کا خیال آیا۔ آخر وہ گرمیوں میں بھی دستانے کیوں استعمال کرتا ہے؟ اس سوال کے کئی جواب اُس کے ذہن کی سطح پر ابھرتے لیکن وہ اُن میں سے کسی کو بھی کوئی اہمیت نہ دے سکا۔

پچھلی رات کا فائر بھی اُس کے لئے انتہائی عجیب تھا۔ آخر فائر کس نے کیا؟ کیا خود اُسی پُر

اسرار آدمی نے؟ اگر یہ بات ہے تو بوڑھے کی موت کا ذمہ دار بھی وہی ہو سکتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ مختلف آدمیوں سے مختلف قسم کے کام لینے کے بعد انہیں ختم کر دیتا ہے۔ لیکن کیوں؟ کیا سازش کا یہ جال فریدی کے گرد بنا جا رہا ہے؟

حمید دن بھر انہیں گتھیوں میں الجھا ہوا دنگھتا رہا۔ اُس نے سونے کی بے حد کوشش کی مگر نیند نہ آئی۔ دن بھر ذہن کی عجیب سی کیفیت رہی۔ لیکن شام کا اخبار دیکھتے ہی غنودگی اس طرح غائب ہو گئی جیسے کبھی اُس کا نام و نشان تک نہ رہا ہو۔

پہلے ہی صفحہ پر گوگلی لڑکی کی تصویر موجود تھی اور اُس کی ساری رام کہانی بھی شائع ہوئی تھی۔ گمنام آدمی کا تذکرہ صرف بوڑھے کے سلسلے میں کیا گیا تھا۔ ... اور پھر لڑکی کے حیرت انگیز فرار کا واقعہ تھا جو فریدی کے دس ہزار روپے لے بھاگی تھی۔ اس پر حمید بُری طرح چونکا۔ جس بات کا علم اُسے بھی نہیں تھا وہ اچانک اچھل کر اخبار کے دفتر میں کیسے جا پہنچی۔

وہ سوچنے لگا کہ آخر فریدی نے اس سے اس کا تذکرہ کیوں نہیں کیا؟
صدر کے متعلق کچھ بھی نہیں تھا۔ حمید نے پورا اخبار دیکھ ڈالا۔ لیکن اُس کے بارے میں کہیں کچھ بھی نہ ملا۔

لیکن سوال یہ تھا کہ آخر یہ خبر یک بیک اخبارات میں کیسے آئی۔ نہ صرف خبر بلکہ تصویر بھی۔ وہ اندرونی برآمدے میں بیٹھا ان گتھیوں میں الجھنے ہی والا تھا کہ ایک نوکر نے کسی ملاقاتی کا کارڈ لا کر دیا۔

کارڈ پر ’خان بہادر اشرف سعید‘ تحریر تھا۔ حمید نے یہ نام سنا ضرور تھا لیکن اُسے یقین تھا کہ وہ فریدی کے ملاقاتیوں میں سے نہیں ہو سکتا۔
”کس سے ملنا چاہتے ہیں؟“ حمید نے نوکر سے پوچھا۔
”کرئل صاحب سے۔“

”اے تو کیا کرئل صاحب میری جیب میں رکھے ہوئے ہیں۔ تو نے کہا کیوں نہیں کہ موجود نہیں ہیں۔“

”وہ مانے ہی نہیں.... کہنے لگے کہ میں انتظار کروں گا۔“ پھر انہوں نے آپ کو پوچھا۔

”سارجنٹ حمید کہا تھا.... یا کیپٹن حمید....؟“

”کپتان صاحب کہا تھا۔“ شاید نوکر نے جان چھڑانے کے لئے کہا۔

”اے.... ہاں.... اگر کوئی سارجنٹ کہے تو فوراً نوک دیا کرو۔“

”اچھا صاحب....!“

حمید نے لباس تبدیل کیا اور نائی کی گرہ درست کرتا ہوا ڈرائنگ روم میں آگیا۔ یہاں ایک ادھیڑ عمر آدمی اپنے جسم کو کبیل سے لپیٹے ہوئے ایک صوفے پر نیم دراز تھا۔ اُس کی پلکیں کچھ اس انداز سے نیچے کی طرف جھکی پڑ رہی تھیں جیسے وہ شدید قسم کے درد سر میں مبتلا ہو۔ حمید کو دیکھ کر اُس نے اٹھنا چاہا۔

”تشریف رکھئے.... تشریف رکھئے۔ فرمائیے۔ میرے لائق کوئی خدمت....؟“ حمید جلدی سے بولا۔

”آپ کرئل فریدی ہیں؟“ اُس نے تھکی تھکی سی آواز میں پوچھا۔

”جی نہیں.... میں اُن کا اسٹنٹ کیپٹن حمید ہوں۔“

”کرئل صاحب کب تک آئیں گے؟“

”میرا خیال ہے کہ اب تک انہیں آجانا چاہئے تھا۔ کیا کوئی ضروری کام ہے؟“

”بہت ضروری۔ انتہائی ضروری۔“ اُس نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

”میں بستر علالت سے اٹھ کر آیا ہوں۔ مجھے اس وقت بھی شدید بخار ہے۔“

”اوہو! تو ایسی صورت میں کیوں تکلیف کی۔ فون کر لیا ہوتا۔“

”نہیں وہ ایسی معمولی بات نہیں ہے۔“

”اب وہ آہی رہے ہوں گے۔ کیا آپ اُن سے پہلے بھی کبھی مل چکے ہیں؟“

”جی نہیں.... پہلی بار ملوں گا۔“

”تو پھر کیا میں انہیں فون کر دوں؟“

”بڑی مہربانی ہوگی۔“ اُس نے ملتی جلتی انداز میں کہا۔

حمید نے فریدی کو فون کیا اور وہ اتفاق سے دفتر ہی میں مل گیا۔ حمید نے خان بہادر اشرف

سعید کی آمد کی اطلاع دی۔ جواب میں فریدی نے کہا کہ وہ فوراً آرہا ہے۔

اور پھر انہیں شاید پندرہ یا بیس منٹ تک انتظار کرنا پڑا۔

”اوہو! آپ کو تو بخار ہے۔“ فریدی نے خان بہادر سے مصافحہ کرتے وقت کہا۔

”جی ہاں.... لیکن اس کے باوجود بھی مجھے آنا پڑا۔“

”کوئی خاص بات؟“

”جی ہاں! بہت ہی خاص بات! یہ میری اور میرے خاندان کی عزت کا سوال ہے۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح بتاؤں۔“

فریدی اُسے جواب طلب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ خان بہادر کی آنکھیں جھکی ہوئی تھیں اور اُس کے چہرے پر ندامت کے آثار تھے۔ آخر اُس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔
”آپ دس کے عوض بیس ہزار مجھ سے لے لیجئے۔ لیکن اب اس معاملے کو آگے نہ بڑھائیے۔“

”کس معاملے کو؟“ فریدی چونک کر اُسے گھورنے لگا۔

”وہی بد بخت لڑکی....!“ خان بہادر کی آواز بھرا گئی۔ ”جس کی تصویر آج کے ایوننگ پوسٹ میں شائع ہوئی ہے۔“

”کیوں؟ اُس سے آپ کا کیا تعلق؟“

”اب میں کیا عرض کروں۔ اُسے بھی موت ہی آ جاتی تو اچھا تھا۔“

”دیکھئے اگر آپ مجھ سے کسی قسم کی مدد چاہتے ہیں تو آپ کو سب کچھ صاف صاف بتانا پڑے گا۔“

”وہ بد نصیت میری بیٹی ہے۔“

”کیا وہ گونگی ہے؟“ حمید نے بے ساختہ پوچھا۔

”ہرگز نہیں.... وہ گونگی نہیں ہے۔“ خان بہادر نے کہا۔ پھر اُس نے فریدی سے پوچھا۔

”کیا یہ حقیقت ہے کہ وہ آپ کے دس ہزار روپے چرالے گئی؟“

”قبل اس کے کہ اس کا جواب دوں میں یہ جاننا چاہوں گا کہ اُس کی اس حرکت کا مقصد کیا

تھا....؟“

”مقصد! مجھے نہیں معلوم۔ میں کیا بتا سکتا ہوں۔“

”کیا وہ آپ کے ساتھ ہی رہتی ہے۔“

”جی ہاں.... لیکن تقریباً ڈھائی ماہ سے میں نے اُس کی شکل بھی نہیں دیکھی....!“

”عجیب بات ہے۔“ فریدی اُسے گھورنے لگا۔ پھر اُس نے کہا۔ ”اخبار میں آپ نے پوری

کہانی پڑھی ہوگی۔ آخر وہ گمنام آدمی کون ہو سکتا ہے؟“

”مجھے اس کا بھی علم نہیں۔“

”پھر آپ کیسے چچا ہیں۔“

”آہ.... یہ ایک لمبی داستان ہے اور ساتھ ہی دردناک بھی۔ اُس لڑکی کو جنون ہو گیا ہے۔“

اُس پر انتقام کا بھوت سوار ہے۔ اس کے لئے وہ سب کچھ کر گزرنے کے لئے ہمیشہ سے تیار رہی ہے۔ خدا اُس پر رحم کرے۔“

مشتبہ ہاتھ

تھوڑی دیر کے لئے کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ حمید حیرت سے کبھی خان بہادر کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی فریدی کی طرف۔

”اگر مجھے یہ معلوم ہوتا۔“ فریدی نرم لہجے میں بولا۔ ”تو میں اُس خبر کو کبھی نیوز ایجنسی تک نہ پہنچنے دیتا۔ ظاہر ہے کہ آپ کی اس سے بڑی بدنامی ہوگی۔“

”میرا دل چاہتا ہے کہ مجھے موت آجائے۔ پتہ نہیں وہ کم بخت اب کہاں ہوگی۔“
 ”لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ ڈھائی ماہ سے غائب رہی اور آپ نے اُس کے لئے کچھ نہ کیا۔“

”میں نے سب کچھ کیا ہے۔ لیکن بدنامی کے خیال سے اسے منظر عام پر نہیں لایا۔ پولیس کو اس لئے اطلاع نہیں دی کہ بات پھیل جاتی۔ ویسے میں اُسے تلاش کرانے کے سلسلے میں ہزاروں روپے بھونک چکا ہوں۔“

”ابھی آپ نے کسی قسم کے انتقام کے بارے میں کچھ کہا تھا۔“
 ”ہاں....!“ خان بہادر نے ایک گہری سانس لی۔ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ ”آپ نے میرے بھائی سر مشرف کا نام تو سنا ہی ہوگا۔ سلیمہ انہیں کی لڑکی ہے۔“
 ”سلیمہ اُس لڑکی کا نام ہے؟“ فریدی نے پوچھا۔

”جی ہاں! شاید آپ کو نہ معلوم ہو کہ اب سے پندرہ سال پہلے وہ جنوبی افریقہ میں قتل کر دیئے گئے تھے۔ سلیمہ اُس وقت پانچ برس کی تھی اور وہیں تھی۔ قاتلوں نے انہیں اُسی کے سامنے قتل کیا تھا۔ پھر میں اُسے یہاں لایا۔“

”سر مشرف کی تجارت تو اب بھی وہاں ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”جی ہاں.... بہت بڑی تجارت۔ وہ ہیرے کی ایک کان کے مالک بھی تھے۔ ہاں تو میں سلیمہ کی بات کر رہا تھا۔ اُس نے ماں کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ کیونکہ اس کا انتقال اُس کی پیدائش کے

بعد ہی ہو گیا تھا۔ بھائی صاحب نے اُس کی پرورش کی۔ آپ خود سوچئے ایسی صورت میں سلیمہ کے ذہن پر اس کا کیا اثر پڑا ہوگا.... تقریباً تین سال تک اُس کا ذہنی توازن بگڑا رہا۔ اگر یہ واقعہ نہ پیش آیا ہوتا تو یہ لڑکی ملک اور قوم کے لئے ایک بہترین سرمایہ ہوتی۔ بلا کی ذہین اور چالاک ہے لیکن انتقام کی دھن میں وہ دوسری ہی راہ پر لگ گئی۔ اب وہ ایک ماہر نشانہ باز ہے۔ اونچی سے اونچی عمارتوں پر چڑھ جانا تو کوئی بات ہی نہیں.... انتہائی نڈر اور بے باک۔ اتنی شاندار اداکارہ ہے کہ اُس نے آپ جیسے آدمی کو دھوکا دے دیا۔ اتنے دنوں تک گوگلی بنی رہی۔“

”لیکن وہ تنہا نہیں ہے۔“ فریدی بولا۔

”میں جانتا ہوں۔ اُس نے بہت دن ہوئے مجھ سے کسی آدمی کا تذکرہ کیا تھا۔ یہ بھی بتایا تھا کہ وہ افریقہ میں بھائی صاحب کے بہت ہی خاص آدمیوں میں سے تھا اور وہ قاتلوں سے انتقام لینے کے سلسلے میں اُس کی مدد کرنے کو تیار ہے۔ میں اُسے سمجھاتے سمجھاتے عاجز آ گیا تھا۔ آپ خود سوچئے اس طرح کسی آدمی پر اعتماد کر لینا کہاں کی عقل مندی ہے۔“

”کیا اُس نے اُس آدمی کا نام نہیں بتایا تھا....؟“

”نہیں.... جب اُس نے اُس کے ساتھ مل کر کام کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو میں نے اُسے مقید کر دیا۔ میں جانتا تھا کہ وہ اسی طرح جبراً روکی جاسکتی ہے۔ سمجھانے بھگانے کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔ لیکن افسوس وہ اُسی رات کو روشندان توڑ کر باہر نکل گئی۔“

”تو اُس نے آپ کو اُس آدمی کے متعلق کچھ بھی نہیں بتایا؟“

”بس اُس کی تعریفوں کے پل باندھا کرتی تھی۔ وہ بڑا محتاط ہے۔ انتہائی چالاک اور دلیر۔ صورت ہی سے پُر اسرار معلوم ہوتا ہے۔ بالکل جاسوسی ناولوں کے کرداروں کی طرح۔ ہاتھوں میں ہر وقت دستانے پہنے رہتا ہے.... وغیرہ وغیرہ۔“

”ہوں....!“ فریدی نے ایک گہری سانس لی اور حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر خان بہادر نے کہا۔ ”لیکن میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ آخر وہ یہاں کیسے پہنچی۔ آپ سے اُسے یا اُس آدمی کو کیا سروکار۔“

”میرا خیال ہے کہ کسی بہت ہی عیار قسم کے آدمی نے اُسے پھانس لیا ہے اور لوگوں کو لوٹنے کے لئے اُسے آلہ کار بنانا رہتا ہے۔“

”تو اب میں کیا کروں.... میری سمجھ میں نہیں آتا۔“

”نی الحال صبر کیجئے۔ میں اُس آدمی کی تاک میں ہوں۔ وہ ایک بہت بڑا بلیک میلر بھی ہے۔“

”سچ مچ دل چاہتا ہے کہ خود کشی کر لوں۔ کیا آپ اُس آدمی کو جانتے ہیں؟“

”نہیں.... اُس کی شخصیت ابھی تک تاریکی میں ہے۔“

”بہر حال آپ مجھ سے دس ہزار لے لیجئے۔ اور خدا کے لئے اُس لڑکی کو بچانے کی کوشش کیجئے۔ ورنہ میری بڑی بدنامی ہوگی۔ لوگ یہی کہیں گے کہ اشرف نے بھائی کی جائیداد پر قبضہ کرنے کے لئے لڑکی کو ٹھکانے لگا دیا۔“

”کیا اُس کے ولی بھی آپ ہی ہیں؟“

”جی نہیں.... اب وہ بالغ ہے اور اپنے کاروبار کی خود دیکھ بھال کر سکتی تھی۔ میں اُس کے کاروباری معاملات میں قطعی دخل نہیں دیتا تھا۔“

”آپ کے ساتھ ہی رہتی تھی؟“

”جی ہاں! اُس کی افتاد طبع کی بناء پر میں.... اُسے الگ رکھنا مناسب نہیں سمجھتا تھا۔“

فریدی چند لمبے کچھ سوچتا رہا پھر اُس نے کہا۔ ”ہاں یہ سر مشرف کا قتل کن حالات میں ہوا تھا اور کیا مجرم گرفت میں آگئے تھے؟“

”ایک عورت کا چکر تھا۔ بھائی صاحب ذرا رنگین مزاج تھے۔ اب میں آپ سے کیا چھپاؤں۔ اس میں دراصل نور محل والوں کا ہاتھ تھا۔“

”نور محل.... کیا نواب اختر کی طرف آپ کا اشارہ ہے؟“

”جی ہاں.... یہ نواب اختر اُن کے رقیبوں میں سے تھا اور اُس زمانے میں وہ بھی جنوبی افریقہ ہی میں تھا۔ بالکل کھلی ہوئی بات تھی لیکن پولیس اس کے خلاف کوئی ثبوت نہ مہیا کر سکی۔“

”سلیمہ کو بھی اس کا علم تھا....؟“ فریدی نے پوچھا۔

”دنیا جانتی ہے۔ سلیمہ ہی کو کیوں نہ معلوم ہوتا۔ وہ یہی تو کہتی ہے کہ قانون میرے باپ کی موت کا انتقام نہیں لے سکا تو میں خود ہی لوں گی۔ خواہ کچھ ہو جائے۔“

”نور محل والوں سے آپ کے کیسے تعلقات ہیں؟“

”تعلقات.... میرا بس چلے تو اُن کی بوٹیاں اڑا دوں۔“

”کیا خیال ہے آپ کا اُس آدمی کے متعلق.... یا آپ کی نظر میں کوئی ایسا آدمی بھی ہے جو اس قسم کی حرکتیں کر سکے۔“

”میری دانست میں کوئی ایسا آدمی نہیں۔ لیکن کوئی بھی اس قسم کی حرکت کر سکتا ہے۔ میں آپ کو ایک بات اور بھی بتاؤں۔ میں نے کئی بار چاہا کہ کسی ڈھنگ کے آدمی کے ساتھ اُس کی

شادی کر دوں لیکن وہ نہیں مانی۔ اُس کا کہنا ہے کہ جب تک اپنے باپ کے قاتلوں سے انتقام نہ لے لوں گی شادی نہیں کروں گی۔ اُس نے یہی بات اور نہ جانے کتنے آدمیوں کے سامنے کہی ہوگی۔ اب آپ اسی سے اندازہ لگائیجئے۔ کوئی شخص بھی اس سلسلے میں اُس کی مدد کرنے کا وعدہ کر کے اپنا کام نکال سکتا ہے.... وہ ایک مال دار لڑکی ہے۔ اسے بھی ذہن میں رکھئے گا۔“

فریدی کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد بولا۔ ”آپ ٹھیک کہتے ہیں۔“

”لیکن میں اُس کے حلقہ احباب کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔“

”اچھا! کیا نور محل والوں کو بھی اس سے کوئی دلچسپی ہو سکتی ہے؟“

”ہو سکتی ہے۔ ایک بار نواب اختر نے اپنے لڑکے کا پیغام دیا تھا.... اور مجھ سے صفائی کرنی

چاہی تھی۔“

”پھر آپ نے کیا کیا....؟“

”انکار....!“

”اچھا.... جناب....!“ فریدی ایک طویل انگڑائی لے کر بولا۔ ”میں کوشش کروں گا کہ

لڑکی سیدھی راہ پر آجائے۔“

”میں آپ کا احسان مند ہوں گا۔“ خان بہادر کراہ کر بولا۔ ”بہر حال عزت آپ کے ہاتھ

میں ہے۔“

”خدا کے ہاتھ میں۔“ فریدی نے تصحیح کی۔ لیکن حمید نے اُس کے لہجے میں کچھ عجیب سا

کھنچاؤ محسوس کیا۔

خان بہادر جانے کے لئے اٹھا اور فریدی نے حمید کو اُسے سہارا دینے کا اشارہ کیا۔

اُسے رخصت کر دینے کے بعد پھر اُن کی ملاقات ناشتے کی میز پر ہوئی۔

”کیا خیال ہے حمید صاحب؟“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”اُس نئے ڈیولپمنٹ کے متعلق؟“

”تو یہ تصویر وغیرہ آپ ہی نے شائع کرائی تھی؟“

”قطعاً....!“

”اب آپ اُس کے لئے میرا پیغام دے سکتے ہیں۔“ حمید نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

”ہوں....!“ فریدی کچھ سوچنے لگا۔

”آپ جانتے ہیں کہ لڑکی کہاں ہے؟“ حمید نے پوچھا۔

”جانتا ہوں۔“

”پھر آپ نے اُسے اُس کا پتہ کیوں نہیں بتایا؟“

”ضروری نہیں سمجھا تھا۔“

”ارے... ہاں... وہ تو بھول ہی گیا۔ ذرا یہ تو فرمائیے گا کہ دس ہزار روپے کا کیا اسکینڈل ہے؟“

”ہے تو اسکینڈل ہی“

”آخر کیوں؟“

”اسی نتیجے کے لئے جس سے ہم ابھی دوچار ہو چکے ہیں اور ابھی کئی باتیں ہیں۔ چلو کافی لو۔“

ٹھنڈی ہو رہی ہے۔“

وہ چند لمحے خاموشی سے کافی پیتے رہے۔ پھر فریدی نے کہا۔

”تم نے اخبار میں کسی جگہ ایک خبر اور دیکھی ہوگی۔“

”کیسی خبر....؟“

”کس کار کے حادثے کی۔“

”نہیں.... میں نے دھیان نہیں دیا۔“

”یہاں سے ایک میل کے فاصلے پر ایک جلی ہوئی کار ملی ہے اور اُس میں ایک جھلسی ہوئی

لاش.... جانتے ہو کس کی ہے؟“

”نہ جانتا ہوں اور نہ جانتا چاہتا ہوں۔“ حمید جھلا گیا۔ ”یہاں دن رات لاشیں....“

لاشیں.... میں تو تنگ آ گیا ہوں۔“

”میں شیکھر کی لاش کے متعلق کہہ رہا ہوں۔“

”شیکھر! یعنی صفدر کا ساتھی؟“ حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

”بہر حال اُسے بھی ختم کر دیا گیا.... سوال تو یہ ہے کہ آخر فریدی ہی کیوں!“

”میں خود یہی سوچ رہا ہوں۔“

”مگر.... فرزند.... یہ بات نہ کھلنی چاہئے تھی کہ صفدر وغیرہ سے بھی وہی آدمی کام لے

رہا تھا۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”دو ایک دن بعد سمجھا دوں گا۔ بہر حال اب معاملات کچھ کچھ میرے ذہن میں صاف

ہو رہے ہیں۔“

”شیکھر کی لاش ملنے کا یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ صفدر پر بھی اُسی نے گولی چلائی تھی۔“

”نہیں.... صفدر کے بیان کے مطابق وہ اُن دونوں کے ساتھ ہی تھا اور اُس وقت بھی وہ دوسری طرف دیوار کے نیچے موجود تھا جب صفدر نے اندر داخل ہونے کی کوشش کی تھی؟“

”تو پھر یہاں سے گولی کس نے چلائی تھی؟“

”سلیہ نے....!“

”کیا....؟“ حمید اتنے زور سے اچھلا کہ کافی چھٹک کر اُس کے کپڑوں پر گری۔

”ہاں.... ہاں.... اُسی نے۔ میں نے اُسے کمرے میں بند کر دیا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ اُسی دوران میں وہ روشندان توڑ کر اوپر پہنچ گئی تھی.... نوکروں کو میں نے شاگرد پٹیشے میں بھیج دیا تھا۔ اس لئے وہ راکفل حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی.... میں تو دراصل انہیں اچھی طرح موقع دینا چاہتا تھا مگر لڑکی نے سارا کھیل بگاڑ دیا۔“

”کمال کرتے ہیں آپ بھی.... ارے وہ سازش میں شریک تھی کیوں نہ کھیل بگاڑتی۔“

”یہی تو تم نہیں سمجھتے خیر.... ابھی ہمیں جلد بازی نہ کرنی چاہئے۔“

”یہ کیس بھی خواہ مخواہ گلے لگا ہے۔“

”چلو ختم کرو۔“ فریدی کافی کی پیالی رکھ کر رومال سے ہونٹ صاف کرتا ہوا بولا۔ ”ہمیں ابھی نواب اختر کے یہاں تک چلنا ہے۔“

”اوہ.... تو کیا اب آپ سر مشرف کے قتل کا معاملہ پھر سے اٹھائیے گا؟“

”نہیں! مجھے جنوبی افریقہ میں ہونے والے قتل سے کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی۔“

نواب اختر شہر کے سربر آوردہ لوگوں میں شمار کیا جاتا تھا۔ نور محل ایک قدیم طرز کی عمارت کا نام تھا جس میں نواب اختر کی کچھلی تین پشتوں کے لوگ رہتے آئے تھے اور اُس خاندان کے لوگ عام طور پر ”نور محل والے“ کہلاتے تھے۔

نواب اختر متوسط عمر اور کھیلے جسم کا ایک خوشرو آدمی تھا۔ فریدی اور حمید جس وقت نور محل پہنچے وہ شراب پی رہا تھا۔ اُس کے ساتھ تین آدمی اور بھی تھے۔ ممکن ہے فریدی کا کارڈ پہنچنے سے قبل کوئی عورت بھی رہی ہو کیونکہ میز پر ایک لیڈیز بینڈ بیگ پڑا ہوا تھا۔

”آخا....!“ نواب اختر جھومتا ہوا بولا۔ ”آئیے.... آئیے.... حضرات! آج میں نے دادا جان کے سوسالہ پرانے ذخیرے سے شراب نکلوائی ہے۔ بین خاں دو گلاس اور لاؤ۔“

”نہیں شکریہ۔ میں اس نعمت سے محروم ہوں۔“ فریدی بیٹھتا ہوا بولا۔

”ہی ہی.... آپ شراب نہیں پیتے؟“ نواب کے مصاحبوں میں سے ایک نے کہا۔

فریدی اُس کی طرف مخاطب بھی نہ ہوا۔

”کیسے تکلیف فرمائی؟“ نواب اختر نے پوچھا۔

”ایک ضروری کام۔ کیا آپ مجھے تنہائی میں تھوڑا سا وقت دے سکتے ہیں؟“

نواب اختر چند لمحے فریدی کی طرف غور سے دیکھتا رہا پھر مسکرا کر بولا۔ ”ضرور“

”ضرور آئیے۔“

وہ فریدی اور حمید کو ایک دوسرے کمرے میں لایا۔ اس دوران میں حمید نواب اختر کے دونوں ہاتھوں کو بڑی توجہ اور دلچسپی سے دیکھتا رہا تھا۔ دونوں ہاتھوں پر کلائیوں تک پٹیاں چڑھی ہوئی تھیں۔

”ہاں اب فرمائیے۔“ نواب اختر کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتا ہوا بولا۔

”میں نے سنا ہے کہ آپ نے خان بہادر اشرف کی بھتیجی کے لئے اپنے صاحبزادے کا پیغام دیا تھا۔“ فریدی نے کہا۔

”کیوں؟“ نواب اختر اُسے گھور کر بولا۔ ”آپ کو ان باتوں سے کیا سروکار؟“

”اُوہ آپ غلط سمجھے۔ میں صرف اس کی تصدیق کرنا چاہتا ہوں۔“

”آخر کیوں؟“

”میں دراصل کیپٹن حمید کیلئے پیغام دینا چاہتا تھا۔“ فریدی نے حمید کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”چند دوستوں کے سامنے اس خیال کا اظہار کرنے پر معلوم ہوا کہ آپ کے صاحبزادے کے لئے بھی پیغام دیا جا چکا ہے۔ اگر یہ حقیقت ہے تو پھر میں اس خیال سے باز رہوں۔“

نواب اختر چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر بولا۔ ”آپ کے اس خیال سے مجھے خوشی ہوئی۔ میں نے پیغام دیا ضرور تھا مگر اب میں کسی قیمت پر بھی اس کے لئے تیار نہیں اور کرنل صاحب پہلے مجھے صرف شبہ تھا اب یقین ہو گیا ہے۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”میں روزانہ اخبار پڑھتا ہوں۔ آج کا ایوننگ پوسٹ میں نے بھی پڑھا تھا۔ اب مجھے سو

فیصدی یقین ہے کہ وہ سلیمہ ہی کی تصویر تھی۔“

”اُوہ! کیا آپ کا اشارہ اُس گونگی لڑکی کی طرف ہے؟“ فریدی نے چونکنے کا شاندار مظاہرہ کیا۔

”جی ہاں! لیکن سوال یہ ہے کہ آپ اس سلسلے میں میرے پاس کیوں آئے ہیں!“

”آپ کو غلط فہمی ہوئی۔ بھلا وہ سلیمہ کیسے ہو سکتی ہے۔“

”کیا آپ نے پہلے کبھی سلیمہ کو نہیں دیکھا؟“
 ”نہیں....!“

”تجربہ ہے کہ آپ دیکھیں بغیر پیغام دینے والے ہیں۔“ نواب اختر فریدی کو عجیب نظروں سے دیکھ کر بولا۔ ”کیا... آپ نے بھی نہیں دیکھا۔“ اُس نے حمید کی طرف اشارہ کیا۔
 حمید نے نفی میں سر ہلادیا اور پھر ایسے انداز میں شرما کر سر جھکایا کہ نواب اختر کو بے ساختہ ہنسی آگئی۔ وہ ویسے بھی نشے میں تھا۔

لیکن وہ جلد ہی سنجیدہ ہو گیا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر کہنے لگا۔ ”وہ تصویر بلاشبہ سلیمہ ہی کی تھی۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس ڈرامے کا کیا مطلب ہے اور آپ حقیقتاً کس لئے تشریف لائے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اشرف میرے خلاف کوئی نئی چال چل رہا ہو۔“
 ”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”کرٹل صاحب! میں بچہ نہیں ہوں اور آپ ابھی میرے سامنے صاحبزادے ہیں۔“
 ”مجھے اس سے انکار نہیں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”آپ یقیناً مجھ سے عمر میں بڑے ہیں۔“
 ”کچھ بھی ہو.... اشرف منہ کی کھائے گا۔ وہ مجھے اپنے بھائی کا قاتل سمجھتا ہے اور اُس کی پرکھی بھتیجی ہمیشہ میرے خلاف پر تولنے کی کوشش کرتی رہتی ہے۔ اُن دونوں کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ میں نے چاہا تھا کہ اشرف کی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو جائے۔ میں سلیمہ کو اپنی بہو بنانا چاہتا تھا مگر اب.... اب کسی قیمت پر نہیں۔“
 ”آخر وجہ....؟“

”وہ لنگٹی ہے۔ شہر کے بد معاش ترین لوگوں میں اُس کی نشست و برخاست رہتی ہے اور یہ سب اسی لئے کہ وہ مجھ سے اپنے باپ کی موت کا انتقام لے سکے۔“
 ”باپ کی موت کا انتقام....؟“ فریدی نے حیرت سے کہا۔

”سر مشرف جنوبی افریقہ میں قتل کر دیا گیا تھا۔ وہاں کی پولیس قاتل کا پتہ نہ لگا سکی۔ میں بھی اُس زمانے میں وہیں تھا۔ سر مشرف کے حلقہ احباب نے مجھ پر شبہ ظاہر کیا۔ لیکن کوئی ثبوت نہ دے سکے۔ ہو سکتا ہے اشرف نے گڑے مردے پھر سے اکھاڑنے کی کوشش کی ہو۔ اسی لئے آپ....!“

”بھلا مجھے اس سے کیا سروکار ہو سکتا ہے۔“ فریدی بولا۔ ”قتل افریقہ میں ہوا تھا۔ یہاں والے اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتے۔ بہر حال آپ نے سلیمہ کے متعلق جو معلومات مہیا فرمائی

ہیں اُس کے لئے شکر گزار ہوں۔“

نواب اختر نے پھر اُسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھا۔

”اچھا اب اجازت دیجئے۔“ فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ ”میں کیپٹن حمید کو ہر گز رائے نہ دوں گا کہ وہ ایسی لڑکی سے شادی کریں۔ دولت ہی سب کچھ نہیں ہوتی.... کیا آپ کے ہاتھوں میں کوئی تکلیف ہے؟“

”اوہ....!“ نواب اختر اپنے پیوں سے ڈھکے ہوئے ہاتھوں کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”جی ہاں.... خارش۔ حالانکہ پٹیاں تکلیف دہ ہیں۔ لیکن ہاتھوں کی حالت دیکھ کر خود مجھے گھن آتی ہے۔ زندگی میں پہلی بار میں خارش میں مبتلا ہوا ہوں۔“

لڑکی کی کہانی

واپسی پر فریدی بالکل خاموش تھا۔ کیڈی لاک شہر کی بھری پُری سڑکوں سے گذر رہی تھی۔ حمید فریدی کے برابر ہی بیٹھا ہوا بڑی دیر سے نکلیوں سے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا اور کئی سوالات اُس کے ذہن میں بُری طرح پک رہے تھے۔

”نواب اختر سے ملاقات کا مقصد میری سمجھ میں نہیں آیا۔“ اُس نے کہا۔

”میں اب تمہاری شادی اُس لڑکی سے ہر گز نہ کروں گا۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔“ حمید بڑبڑایا۔

فریدی ہنسنے لگا اور حمید جھلا کر بولا۔ ”آپ براہ کرم مجھے اس قسم کے معاملات میں مت رگیدائیجئے۔“

”یہی ہوتا ہے برخوردار آج کل کے زمانے میں عموماً دو چار جگہ بات ڈالی جاتی ہے۔ پھر کہیں نہ کہیں شادی بھی ہو جاتی ہے۔ آخر ایسی جلدی کیا ہے۔“

”ماشاء اللہ! خدا اس لونڈیا کی عمر میں برکت دے۔ اس کی بدولت آپ چکنے تو لگے ہیں یعنی ریگستان میں بارش۔ خدا میری مغفرت کرے۔ ویسے کیا میں نواب اختر کے خارش زدہ ہاتھوں کے متعلق کچھ پوچھ سکتا ہوں۔“

”کیا پوچھنا چاہتے ہو؟“

”خارش زدہ ہاتھوں کو لوگ عموماً کھلا ہی رکھتے ہیں۔“ حمید نے کہا۔

”ہاں تو پھر.... مگر نہیں۔ یہ ضروری نہیں۔“

”میں نے عموماً یہی دیکھا ہے۔“

”مگر یہ کلیہ نہیں۔ بعض طبیعتیں حد سے زیادہ نفاس پسند ہوتی ہیں۔“

”اچھا یہ بتائیے کہ آخر وہ پُر اسرار آدمی دستانے کیوں پہنتا ہے؟“

”میں تمہارا مطلب پہلے ہی سمجھ گیا تھا۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”میرا خیال ہے کہ اُس کے

ہاتھوں میں کوئی ایسی خاص بات ہے جس کی بناء پر وہ پہچانا جاسکتا ہے۔“

”اب نواب اختر کے ہاتھوں کے متعلق کیا رائے ہے؟“ حمید پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے بولا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا اور اُس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔ حمید

نے پائپ سلاک کو دو تین کش لیے اور کھڑکی پر جھک کر باہر دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے کہا۔

”لڑکی بڑی مال دار ہے اور نواب اختر کی دشمن ہے۔ ہو سکتا ہے نواب اختر ہی وہ پُر اسرار

آدمی ہو۔ کچھ دن لڑکی کو اسی طرح پکڑ دیتا رہے پھر کسی سازش کا شکار بنا کر اپنے لڑکے سے شادی

کر لینے پر مجبور کرے۔ لڑکی بالکل ہے اس لئے اس کا چچا بھی کچھ نہ کر سکے گا۔“

فریدی اب بھی کچھ نہ بولا۔

تھوڑی دیر بعد حمید نے محسوس کیا کہ فریدی یونہی بغیر مقصد کیڈی کو ایک سڑک سے

دوسری سڑک پر دوڑاتا پھر رہا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اُس کی نظر بار بار عقب نما آئینے کی طرف

بھی اٹھ جاتی ہے۔

”کیا بات ہے؟“ حمید نے پوچھا۔

”ایک موٹر سائیکل بہت دیر سے تعاقب کر رہی ہے۔“ فریدی بڑبڑایا اور اُس نے کیڈی پھر

ایک دوسری سڑک پر موڑ دی۔ حمید نے مڑ کر دیکھا۔ موٹر سائیکل بھی اسی سڑک پر مڑ رہی

تھی۔ کیڈی سے اُس کا فاصلہ زیادہ سے زیادہ پچاس گزر رہا ہو گا۔ اور کوئی سکھ تھا۔

”کون ہے؟“ فریدی نے ونڈا اسکرین پر نظر جمائے ہوئے پوچھا۔

”ایک سکھ....!“

”خوب....!“ فریدی مسکرایا۔ ”لیکن اس کے پیچھے بھی ایک موٹر سائیکل ہے۔“

حمید پھر پلٹا۔ ساتھ ہی فریدی نے ہاتھ بڑھا کر عقب نما آئینے کا زاویہ بدل دیا۔

”ہاں ہے تو.... اور اُس پر کوئی عورت ہے۔“ حمید نے کہا۔

”عورت کا لباس....؟“ فریدی نے پوچھا۔

”کتھئی رنگ کا اسکرٹ ہے۔“

”ٹھیک.... اچھا.... تو اب تم اس ڈرامے کا ایک دلچسپ ایکٹ ملاحظہ کرو گے.... پھر دیکھ

لو۔ عورت کے اسکرٹ کا رنگ کتھئی ہی ہے نا....؟“

”جی ہاں....!“ حمید نے کہا۔

سڑک پر کافی روشنی تھی۔ اس لئے حمید کو اپنے بیان کی صداقت میں شبہ کی گنجائش نہیں نظر آئی۔ سکھ کی موٹر سائیکل کے پیچھے والی موٹر سائیکل سوار کا اسکرٹ کتھئی ہی تھا۔

فریدی نے کیڑی کی رفتار تیز کر دی۔

”میرا دعویٰ ہے کہ یہ سکھ نواب اختر کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ ویسا ہی بھرا بھرا سا چہرہ

ہے۔“ حمید نے کہا۔

”آج تم غیر معمولی ذہانت کا مظاہرہ کر رہے ہو۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”لیکن دوسری موٹر سائیکل پر کون ہے؟“

”اُس کا چہرہ صاف نظر نہیں آ رہا ہے۔“

”کہو نا کہ سلیمہ ہے۔“ فریدی ہنس پڑا۔

”آپ میرا مضحکہ کیوں اڑا رہے ہیں؟“

”مضحکہ نہیں اڑا رہا ہوں۔ میرا تعاقب بقول تمہارے نواب اختر کر رہا ہے اور نواب اختر کا

تعاقب کوئی عورت کر رہی ہے۔ لیکن اس کیس میں ابھی تک سلیمہ کے علاوہ کسی دوسری عورت کا وجود منظر عام پر نہیں آیا۔ اس لئے وہ سلیمہ ہی ہوگی۔“

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ سلیمہ کے متعلق سوچنے لگا تھا اور ساتھ ہی اُسے فریدی پر غصہ بھی آ رہا

تھا کیونکہ آج صبح ہی سے وہ بہت اچھے موڈ میں تھا اور جب بھی وہ اچھے موڈ میں ہوتا تو حمید کی شامت آ جاتی تھی۔ وہ اُسے بات بات پر اُلو بناتا تھا۔ لیکن حمید کو حیرت بھی تھی کہ آخر آج

فریدی کا موڈ اتنا اچھا کیوں ہے۔ ویسے وہ ابھی تک تو یہی دیکھتا آیا تھا کہ شکست کھانے کے بعد فریدی پر عموماً جھلاہٹ ہی کا دورہ پڑتا تھا اور پر اس بار تو اُسے ایک لڑکی نے شکست دی تھی۔

کیڑی کی رفتار پھر کم ہو گئی۔ فریدی اُسے ایک پتلی سی گلی میں موڑ رہا تھا۔

”حمید.... میں جیسے ہی گاڑی روکوں تم نیچے اتر کر انجن دیکھنے لگنا۔“ اُس نے کہا۔

گلی کے دوسرے سرے کے قریب پہنچ کر کیڑی رک گئی۔ موٹر سائیکل آدھی گلی طے

کر چکی تھی۔ حمید نے نیچے اتر کر بوٹ اٹھادیا۔

موٹر سائیکل میں پورے بریک لگے اور وہ ایک چڑچڑاہٹ کے ساتھ رک گئی۔ گلی اتنی پتلی تھی کہ کیڑی نے ایک موٹر سائیکل کے گزرنے کی بھی جگہ نہیں چھوڑی تھی۔ دوسری موٹر سائیکل بھی گلی میں داخل ہوئی۔

سکھ اپنی موٹر سائیکل موڑنے ہی جا رہا تھا کہ فریدی کیڑی سے نکل کر اُس کی طرف جھپٹا۔ گلی تاریک نہیں تھی۔ فریدی نے سکھ کا راستہ روک لیا۔ اب حمید بھی اُس کے قریب پہنچ چکا تھا۔ لیکن اُس نے کتنی اسکرٹ والی لڑکی کو موٹر سائیکل موڑ کر بھاگتے دیکھا۔ فریدی نے اُس کی طرف دھیان بھی نہ دیا۔ وہ سکھ کے کاندھے پر ہاتھ رکھے اُسکی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرا رہا تھا۔

”سر دار جی.... تم سے اردو میں گفتگو کروں یا پنجابی میں؟“ اس نے ہنس کر کہا۔

سکھ خاموش رہا۔ اُس کی سانس پھول رہی تھی۔

”حمید! تم موٹر سائیکل سنبھالو.... سلیمہ میرے ساتھ جائے گی۔“

”سلیمہ....؟“ حمید اچھل پڑا۔

”ہاں.... یہ ننھی سی احمق لڑکی جواب بھی حماقتوں سے باز نہیں آ رہی ہے۔“

”مجھے جانے دو۔“ سلیمہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔

”اتنی آسانی سے....!“ فریدی طنزیہ لہجے میں بولا۔ پھر اُس نے کرخت آواز میں کہا۔

”چلو۔“

وہ اُسے موٹر سائیکل سے اُتار کر کیڑی تک لایا۔

”چلو بیٹھو....!“

”جیل....!“ سلیمہ نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

فریدی نے دروازہ کھول کر اُسے پچھلی نشست پر دھکیل دیا۔

کیڑی چل پڑی۔ حمید سلیمہ کی موٹر سائیکل پر تھا۔ اُس کا ذہن دوسری لڑکی میں الجھا ہوا

تھا.... آخر وہ کون تھی؟ اور فریدی نے اُس کے معاملے میں کیوں اتنی لاپرواہی برتی۔

کیڑی شیبان ہوٹل کے سامنے رک گئی۔ فریدی نے اتر کر پچھلی نشست کا دروازہ کھولا۔

حمید اُس کے برابر پہنچ چکا تھا۔

”تم اسی ہوٹل میں ٹھہری ہو نا۔ کمرہ نمبر تیرہ۔ غلط تو نہیں کہہ رہا ہوں؟“ فریدی نے سلیمہ

سے کہا۔

سلیمہ کچھ نہ بولی۔ لیکن اب وہ خوفزدہ نہیں نظر آرہی تھی۔ حمید نے اُسے اپنی مصنوعی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے دیکھا۔

”کیا آپ کچھ دیر کے لئے میرے کمرے تک چلیں گے؟“ اُس نے فریدی سے پوچھا۔ آواز مردوں کی سی تھی۔

”تم بہت اچھی ایکٹر لیس ہو سلیمہ....!“ فریدی ہنس پڑا۔

”براہ کرم یہاں مجھے سردار بکرم سنگھ کے نام سے مخاطب کیجئے۔“

وہ انہیں اپنے کمرے میں لائی اور جب وہ دونوں اطمینان سے بیٹھ گئے تو اُس نے کہا۔ ”کہئے

جناب.... یہ آپ لوگوں نے دس ہزار والی ہوٹلی کیوں چھوڑی تھی؟“

”میرا وقت نہ برباد کرو۔“ فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ ”میں صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں

کہ تم لوگوں نے مجھے کیوں اپنی سازشوں کا مرکز بنایا تھا؟“

”جب آپ میرے نام سے واقف ہو گئے ہیں تو حالات سے بھی باخبر ہوں گے۔“

”یوں تو مجھے تمہارے مستقبل کا بھی علم ہے لیکن میں تمہاری زبان سے سننا چاہتا ہوں۔“

”مجھے یقین ہے کہ میرے متعلق آپ کو پچا جانے بہت کچھ بتایا ہوگا۔ میری گمشدگی کے

بعد آپ نے اسی لئے اخبارات کی طرف دھیان دیا تھا۔“

”تمہاری گمشدگی۔ تم میرے لئے کبھی گمشدہ نہیں تھیں۔ بھولی لڑکی میں نے تمہیں بھاگتے

دیکھا تھا۔ چونکہ کتے بے ہوش پڑے تھے اس لئے تمہیں کوئی دشواری نہیں پیش آئی تھی۔“

سلیمہ حیرت سے فریدی کو دیکھ رہی تھی۔ فریدی چند لمحے خاموش رہا پھر اُس نے پوچھا۔

”تم میرا تعاقب کیوں کر رہی تھیں؟“

”محض اسلئے کہ میں نے آپ کو نور محل سے نکلتے دیکھا تھا۔“

”تو پھر اس سے کیا....؟“

”نواب اختر.... میرے باپ کا قاتل ہے۔ میں اُس سے انتقام لینا چاہتی ہوں۔“

”میں اُس کی کہانی بھی سن چکا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔ ”لیکن.... کیا اس صورت میں تم

خود اپنی جان بچا سکتیں؟“

”ہاں.... اسکیم تو کچھ ایسی ہی تھی کہ خود قانون ہی اُسے پھانسی کے تختے تک پہنچا دیتا۔“

”اچھا....!“ فریدی کی آنکھیں مصنوعی حیرت سے پھیل گئیں۔

”لیکن....!“ سلیمہ نے ایک گہری سانس لی۔ ”میں خود ہی اس سازش کا شکار ہو گئی۔“

”کیوں! کیا اس آدمی سے پھر ملاقات نہیں ہوئی؟“
 ”نہیں....!“

”کیا تم اُسے اطلاع دیئے بغیر میرے یہاں سے بھاگی تھیں؟“
 ”اوہ....!“ سلیمہ اُسے گھور کر بولی۔ ”تو آپ سب کچھ جانتے ہیں؟“
 ”میں تمہاری زبان سے سننا چاہتا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔
 ”مگر اُسی زبان میں سنانا۔“ حمید بولا۔ ”جس زبان میں سانپوں کے متعلق اظہار خیال کیا تھا۔“
 سلیمہ ہنسنے لگی۔ پھر اُس نے کہا۔ ”حمید صاحب ریلوے انجن بننا یاد ہے؟“
 حمید نے جھینپا جھینپا سا قہقہہ لگایا اور بولا۔ ”بہر حال اب میں بوڑھے کی تجویز پر عمل کر سکتا ہوں۔“
 ”وقت کم ہے۔“ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”وہ آدمی کہاں ہے؟“
 ”مجھے نہیں معلوم کہ وہ کہاں رہتا ہے۔“ سلیمہ بولی۔
 ”تم اُس کی تلاش میں ہو؟“ فریدی نے پوچھا۔
 ”جی ہاں....!“

”کیوں؟“

”اس لئے کہ وہ بھی میری تلاش میں ہوگا۔“

”لیکن تم نے صفدر پر کیوں فائر کیا تھا....؟“

”آپ یہ بھی جانتے ہیں؟“ سلیمہ خوف زدہ آواز میں بولی۔ چند لمحے خاموشی رہی پر اُس نے

کہا۔ ”خود اُس نے ہی مجھے اس کے لئے تاکید کی تھی۔“

”تمہارے پاس اُس کا پیغام کیسے پہنچا تھا....؟“

”یہ پہلے ہی سے طے تھا۔ اُس نے کہا تھا کہ جس دن کتے بے ہوش پائے جائیں۔ اُس رات کو حملہ ضرور ہوگا۔ اس نے کہا تھا کہ اگر تم تھوڑی سی ہمت کر لو تو حملہ آور پکڑا جاسکتا ہے اور پھر اُس کے بعد نواب اختر پوری طرح قانون کی گرفت میں آجائے گا۔ بہر حال اُس کا مقصد یہ تھا کہ میں کسی طرح آپ سے چھپ کر اُسے گولی مار دوں۔ گھر میں سر شام ہی سنانا ہو گیا تھا۔ ادھر آپ میرے کمرے کو مقفل کر کے بٹے اور میں نے اپنا کام شروع کر دیا۔ آپ شاید عقبی پارک میں جا چکے تھے۔ کوٹھی میں سنانا تھا۔ میں نے آپ کی رائفل نکالی اور اوپری منزل کی چھت پر پہنچ گئی۔“

”کیا اُس نے کہا تھا کہ پیر ہی میں گولی مارنا....؟“

”نہیں.... اُس نے صرف فائر کرنے کے لئے کہا تھا۔“

”اور یہ بھی بتایا تھا کہ حملہ چہار دیواری کی کچھلی ہی دیواری کی طرف سے ہوگا؟“ فریدی نے پوچھا۔
 ”جی ہاں.... لیکن خدا کا شکر ہے کہ گولی اُس کی ٹانگ ہی میں لگی اور وہ اپنا بیان دینے کے
 لئے زندہ رہ گیا۔ ورنہ میں کسی بہت بڑی مصیبت میں پڑ جاتی۔“
 ”کیسی مصیبت....؟“

”دیکھئے! میں شروع سے بتاتی ہوں۔ میرے متعلق آپ کو بچا جان سے بہت کچھ معلوم
 ہو چکا ہوگا۔ اخبارات میں وہ میری تصویر دیکھ کر یقیناً آپ کے پاس دوڑے آئے ہوں گے۔ میں
 نے انہیں بہت پریشان کیا ہے۔ خدا مجھے معاف کرے۔ ہاں تو میں بچپن ہی سے کشت و خون کی
 طرف مائل رہی ہوں۔ لیکن میں خود اس کی ذمہ دار نہیں۔ میرے باپ کے قتل کا منظر آج بھی
 میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ میں اس وقت پانچ برس کی تھی۔ ایک گوشے میں سہمی ہوئی اپنے
 باپ کو قتل ہوتے دیکھ رہی تھی۔ وہ مچھلی کی طرح زمین پر تڑپ رہے تھے اور اُن پر کلہاڑیاں اور
 تلواریں برس رہی تھیں۔“ وہ خاموش ہو گئی۔ اُس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں اور پلکیں جھپکائے
 بغیر خلا میں گھور رہی تھی۔

”مجھے معلوم ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”یہ بتاؤ کہ وہ آدمی تمہیں کہاں اور کیسے ملا تھا اور اُس کی
 اسکیم کیا تھی؟“

”آج سے چھ ماہ پہلے!“ وہ چونک کر بولی۔ چند لمحے خاموش رہی پھر کہا۔ ”وہ ہوٹل ڈی فرانس
 میں ملا تھا۔ اُس نے مجھے بتایا کہ وہ خاص طور سے مجھ سے ملنے کے لئے جنوبی افریقہ سے آیا ہے۔
 والد مرحوم کے بہت ہی خاص آدمیوں میں سے تھا اور اُسے نواب اختر سے ذاتی پر خاش بھی ہے۔
 کیونکہ اُس نے جنوبی افریقہ میں اُس کی بیوی پر ہاتھ صاف کیا تھا اُس نے اپنی پوری اسکیم نہیں
 بتائی تھی لیکن یہ ضرور کہا تھا کہ نواب اختر اس طرح سیدھا پچانسی کے تختے تک پہنچ جائے گا۔ وہ
 تقریباً چار ماہ تک مجھ سے مختلف مقامات پر ملتا رہا لیکن اس دوران میں میں نے ہمیشہ اس کے
 ہاتھوں میں دستانے دیکھے۔ وہ کچھ اس قسم کا آدمی تھا کہ میں اُس کی طرف کھینچی ہی گئی۔ بچپن ہی
 سے مجھے جاسوسی ناولیں پڑھنے کا شوق رہا ہے اور وہ مجھے بالکل کسی ناول ہی کا کوئی پراسرار کردار
 معلوم ہوتا تھا۔ آج سے دو ماہ قبل ایک دن وہ مجھے ملا اور یہ اطلاع دی کہ اب عمل کا وقت آگیا
 ہے۔ اُس نے کہا کہ ہمیں کسی طرح نواب اختر اور اُس کے گروگوں کو اس بات کا یقین دلا دینا
 چاہئے کہ ہم اُن کے خلاف کوئی سازش کر رہے ہیں۔ یہ بات کم از کم میری سمجھ میں تو نہیں آئی۔
 میں نے مزید استفسار کیا تو اُس پر اُس نے بتایا کہ اس طرح وہ لوگ بھی نہ صرف چوکتے ہو جائیں

گے بلکہ ہمارے پیچھے لگنے کی بھی کوشش کریں گے۔ میں نے پوچھا اس سے کیا ہوگا کہنے لگا کہ پھر یہاں کے سب سے بڑے سراغ رساں کرنل فریدی کو اُن کے پیچھے لگا دوں گا۔ ایک ایسا طریقہ اختیار کروں گا کہ نواب اختر پر ایک آدمی کے قتل کا جرم ثابت ہو جائے گا۔“

”کیا.... وہ بوڑھا بھی اس سازش میں شریک تھا؟“ فریدی نے پوچھا۔

”نہیں.... جو بیان اُس نے دیا تھا وہ حرف بحرف صحیح تھا۔ اُسے ان حرکات کی غرض و غایت کا علم نہیں تھا۔ مجھے اُس کی موت پر صحیح معنوں میں صدمہ ہے۔ کیونکہ وہ ایک مخلص آدمی تھا۔ بہر حال میرا اُس کے یہاں ایک گونگی لڑکی کی حیثیت میں قیام کرنا اُس اسکیم ہی کا ایک حصہ تھا۔ اُس نے بوڑھے سے یہ کہا تھا کہ جب خطرات حد سے زیادہ بڑھ جائیں تو مجھے آپ کے یہاں پہنچا دیا جائے۔“

”تم نے اس کی وجہ نہیں پوچھی تھی؟“ فریدی بولا۔

”وجہ.... اُس نے کہا تھا کہ نواب اختر کو چوٹکانے کے لئے اس سے بہتر اور کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا۔ اُس وقت اُس سے زیادہ اور کچھ نہیں بتایا تھا.... ہاں تو میں بوڑھے کے ساتھ رہنے لگی۔ وہ اکثر بوڑھے کی عدم موجودگی میں مجھ سے ملتا رہتا تھا۔ ایک دن اُس نے بتایا کہ آج نواب اختر کے کچھ گرگے یہاں حملہ کریں گے اور آج ہی اگر بوڑھا تمہیں یہاں سے فریدی کے پاس لے جائے تو بہتر ہے۔ میں سوچ میں پڑ گئی۔ نہ جانے کیا واقعہ پیش آجائے۔ بہر حال جب بوڑھا واپس آیا تو میں نے اُسے اشاروں میں بتایا کہ کچھ مشتبہ آدمی آج فلیٹ کی نگرانی کر رہے ہیں.... بوڑھے نے مجھے حتی الامکان اطمینان دلانے کی کوشش کی۔ فریدی صاحب وہ سچا انتہائی دلیر اور وفادار آدمی تھا۔ اُس نے اُن دونوں نقاب پوش آدمیوں کا بڑی دلیری سے مقابلہ کیا اور بالآخر مجھے وہاں سے نکال لے جانے میں کامیاب ہو گیا۔ اُسی دن اُس پر اسرار آدمی نے مجھ سے یہ بھی کہا تھا کہ اگر آج تم فریدی کے یہاں پہنچ جاؤ.... تو جس دن بھی تمہیں فریدی کے کتوں کی بے ہوشی کی خبر معلوم ہو سبھی لینا کہ اُس دن فریدی کے یہاں بھی حملہ ہوگا۔ اس پر میں نے پوچھا کہ کتے کس طرح بے ہوش ہوں گے کہنے لگا کہ وہ لوگ ہر حال میں تمہیں حاصل کرنے کی کوشش کریں گے خواہ تم گورنمنٹ ہاؤس ہی میں کیوں نہ پہنچا دی جاؤ۔ میں اُن کی ٹوہ میں رہوں گا۔ جس دن بھی مجھے معلوم ہوا کہ وہ حملہ کرنے والے ہیں میں اشارے کے طور پر کتوں کو بے ہوشی کی دوا دلوادوں گا۔ اس پر بھی میرا اطمینان نہیں ہوا۔ میں نے بحث کرنی چاہی تو اُس نے جھلا کر کہا.... کہ اگر تمہیں مجھ پر اعتماد نہیں تو تم الگ ہو جاؤ۔ میں نواب اختر سے اکیلے ہی نپٹ لوں گا۔

میں نے خاموشی اختیار کر لی۔ مجھے اُس پر اس لئے اور بھی اعتماد ہو گیا تھا کہ اُس نے مجھ سے کبھی کوئی رقم نہیں طلب کی تھی۔ بوڑھے کو بھی اُس نے پانچ ہزار روپے اپنے پاس ہی سے دیئے تھے اور ویسے بھی نہ جانے کیوں میں بے چوں و چرا اُس کی ہر بات تسلیم کر لیتی تھی اب مجھے خود بھی اس پر حیرت ہے۔“

”لیکن اب تم اُس سے بدظن کیوں ہو گئی ہو؟“ فریدی نے پوچھا۔

”کیوں کیا آپ کو صفدر کا بیان یاد نہیں.... اُسے بھی تو اُسی بُرے اسرار آدمی نے میرے اغواء پر مامور کیا تھا اور مجھ سے یہ کہتا رہا تھا کہ حملہ آور نواب اختر کے گر گئے ہوں گے اور پھر حمید صاحب نے کل ہی رات کو کسی شاہینہ کی بلیک میلنگ کی داستان بھی سنائی تھی اور اُس کم بخت نے صفدر اور اُس کے ساتھی کو بھی بلیک میل ہی کر کے اپنے قابو میں کیا تھا۔ اب بتائیے میں اُس کے متعلق کیا سوچ سکتی ہوں۔ وہ کوئی پکا سازشی اور بلیک میلر ہے اور اس ساری بھاگ دوڑ کا مطلب یہ تھا کہ وہ مجھ سے بھی ایک قتل کرادے اور پھر میں اُس کی مٹھی میں ہوں گی۔“

”کس کا قتل....؟“ حمید نے پوچھا۔

”صفدر کا قتل.... وہ جانتا تھا کہ میرا نشانہ بہت اچھا ہے۔ وہ تو خدا کی مہربانی تھی کہ میرا ہاتھ بہک گیا اور گولی ران پر پڑی۔ وہ اپنا بیان دینے کے لئے زندہ رہ گیا۔ ورنہ وہ کم بخت مجھے اپنی انگلیوں پر نچا سکتا تھا.... مگر کہاں.... اب بھی میری پوزیشن صاف نہیں ہے۔“

وہ کون تھا

تھوڑی دیر کے لئے سناٹا چھا گیا۔ فریدی ٹٹولنے والی نظروں سے اُس کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اُس نے کہا۔ ”لیکن تمہارے گونگے پن کا کیا ہوتا۔ تم میرے یہاں سے کیسے نکل پاتیں؟“

”اُس نے کہا تھا کہ جب آپ نواب اختر کی راہ پر لگ جائیں گے تو وہ مجھے وہاں سے نکال لے جائے گا۔“

”کیا پھر اُس کے بعد تم یہ ملک ہی چھوڑ دیتیں؟“

”نہیں اس کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ کیا آپ خان بہادر اشرف کی بھتیجی اور سر مشرف

کی لڑکی پر کسی قسم کا الزام رکھ سکتے؟“

”اوہ....!“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”شاید یہ تمہیں نہیں معلوم کہ تمہارے چچا ہی نے مجھے تمہارے حالات سے باخبر کیا ہے اور اگر تم جرائم کے ریکارڈ کا مطالعہ کرو تو تمہیں کئی ایسے بہت بڑے آدمی ملیں گے جن کے ہاتھوں میں خود فریدی نے ہتھکڑیاں ڈالی ہیں۔“

”آپ میرا مطلب نہیں سمجھے۔“ سلیمہ بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولی۔ ”یہ اُسی کم بخت کا خیال تھا۔ اُس نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ مجھے اسی لئے گونگی بنا رہا ہے کہ بعد میں پولیس کو شے میں ڈال کر فائدہ اٹھایا جاسکے۔“

”کچھ بھی ہو.... تم پر فریب دہی اور ایک آدمی پر قاتلانہ حملہ کرنے کا الزام بدستور موجود ہے۔“ فریدی نے کہا۔

سلیمہ کچھ نہ بولی۔ وہ چند لمبے سر جھکائے کچھ سوچتی رہی پھر اُس نے کہا۔ ”میں آپ سے التجا کرتی ہوں کہ ابھی مجھے گرفتار نہ کیجئے۔“

”کیوں؟“

”میں اتنی مہلت چاہتی ہوں کہ اُس آدمی کو تلاش کر کے قتل کر دوں پھر میں خود ہی آپ کے پاس چلی آؤں گی۔ میں موت سے نہیں ڈرتی۔“

”خوب.... اب تم مجھے دوبارہ اُلو بنانا چاہتی ہو؟“

”اچھی بات ہے.... جو آپ کا دل چاہے کیجئے۔“ اُس نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

”ٹھہرو....!“ حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”میرے ذہن میں ایک دوسری تجویز ہے۔“

”کیا....؟“ وہ اُس کی طرف مڑی۔

”میرے ساتھ شادی کر لو۔ پھر ہم دونوں مل کر اُسے تلاش کریں۔ مل جائے تو قتل کر کے دونوں پھانسی پر چڑھ جائیں۔“

”حمید صاحب.... میں بد تمیزی پسند نہیں کرتی۔“ سلیمہ نے غصیلی آواز میں کہا۔

”اگر شادی بد تمیزی ہے تو سب سے پہلے میں اپنے باپ کی گردن اڑا دوں گا۔“

فریدی خاموش تھا۔ اُس کی پیشانی پر شکنیں تھیں اور وہ پلکیں جھپکائے بغیر دیوار سے لگی ہوئی ایک پینٹنگ کو گھور رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اُس نے کہا۔ ”اور وہ شادی والا معاملہ.... اگر میں تمہاری شادی کسی سے کر ہی دیتا تو....؟“

”میں کچھ نہیں جانتی۔“ سلیمہ جھلا کر بولی۔ ”وہی سور کا بچہ بتائے گا۔ اب میں کسی سوال کا جواب نہیں دوں گی۔ جو آپ کا دل چاہے کیجئے۔“

”تم ان پر خواہ مخواہ بگڑ رہی ہو۔“ حمید نے کہا۔ ”یہ بالکل بد تمیزی نہیں کرتے۔ فارغ البال ہیں۔“
 ”منع کیجئے۔ ورنہ میں بہت بُری طرح پیش آؤں گی۔“ سلیمہ نے فریدی سے کہا۔
 ”حمید! بکواس بند کرو۔“ فریدی نے اُسے ڈانٹا۔

”آپ میرے گھریلو معاملات میں دخل نہیں دے سکتے۔“
 ”میں تمہارا سر توڑ دوں گی۔“ سلیمہ اُس کی طرف جھپٹی۔ حمید اچھل کر ایک طرف ہٹ گیا۔
 سلیمہ چکنے فرش پر پھسلتی ہوئی دروازے تک چلی گئی اور پھر اُس نے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ فریدی نے جھپٹ کر اُسے پکڑ لیا۔

”پھر بھوت سوار ہوا تم پر۔“ وہ اُسے ایک کرسی میں دھکیلتا ہوا بولا۔ ”بہت چالاک ہو۔ تم جیسی لڑکیاں میری نظر سے کم ہی گذری ہیں۔“
 ”آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟“ اُس نے ہانپتے ہوئے کہا۔

”صرف ایک سوال اور کروں گا اور اس کے بعد تمہیں تمہاری تقدیر کے حوالے کر کے یہاں سے رخصت ہو جاؤں گا۔ فی الحال تمہاری گرفتاری کی خبر کے حوالے کر کے۔“
 سلیمہ کچھ نہ بولی۔ اُس کی آنکھوں سے بے اعتباری جھلک رہی تھی۔

”تم نے مجھے نور محل سے نکلنے دیکھ کر میرا تعاقب کیوں شروع کر دیا تھا۔“ فریدی نے پوچھا۔
 سلیمہ نے فوراً ہی جواب نہیں دیا۔ وہ کچھ دیر تک فریدی کو گھورتی رہی۔ پھر گلا صاف کر کے بولی۔ ”میرا خیال ہے کہ وہ پُر اسرار آدمی نواب اختر ہی تھا۔“
 ”آخر کس بناء پر۔ اس خیال کی کوئی وجہ؟“

”دستانے....!“ سلیمہ پیشانی پر ٹکٹیں ڈال کر بولی۔ ”وہ غالباً اسی لئے دستانے پہنتا تھا کہ اُس کی ایک بہت ہی نمایاں قسم کی پہچان چھپی رہے۔ نواب اختر کے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں کے ناخن غائب ہیں۔ یہ عیب پیدا کئی ہے اور دوسری بات یہ کہ نواب اختر کسی زمانے میں اسٹیج کا ایکٹر بھی رہ چکا تھا۔ لہذا میک اپ کا بھی ماہر ہو گا۔ اُس کے سر کے بال بھورے ہیں۔ لہذا ایک نقلی بھوری داڑھی اُس کے چہرے پر اچھی طرح کھپ سکتی ہے۔ اب آئیے دوسری طرف.... وہ جانتا ہے کہ میں اُس کی دشمن ہوں اور ساتھ ہی ساتھ اُس سے زیادہ دولت مند بھی۔ اُس کو ہر وقت میری طرف سے خدشہ رہتا ہے اور یہ بات تو بالکل ہی عام ہو چکی ہے کہ میں نے اپنی زندگی

کو اس ڈھرے پر محض اس لئے لگایا ہے کہ اپنے باپ کے قتل کا انتقام لے سکوں۔ اُس نے اپنے قصے کو ختم کرنے کے لئے ایک بار مصالحت بھی کرنی چاہی تھی۔ یعنی میرے لئے اپنے لڑکے کا پیغام دیا تھا۔ مگر چچا جان نے سختی سے انکار کر دیا اور میں نے بھی خاصی لتاڑ کی تھی.... اب آپ خود سوچئے کیا وہ اُس پر اسرار آدمی کی شخصیت میں فٹ نہیں بیٹھتا.... نواب اختر کی ہسٹری مجھ سے پوچھئے۔ وہ بہت پرانا بلیک میلر ہے.... اُس نے اپنی محبوباؤں تک کو بلیک میل کیا ہے۔ اگر آپ کہیں تو میں اُن عورتوں کے نام تک بتا سکتی ہوں۔ وہ شہر کے سربر آوردہ لوگوں کی بیویاں ہیں۔ نواب اختر انہیں دھمکیاں دے کر رقیں وصول کرتا رہتا ہے۔ اُن کے خطوط اُن کے شوہروں تک پہنچا دینے کی دھمکی کافی ہوتی ہے۔ اُس نے مجھے بھی اپنے قابو میں کرنے کے لئے یہ سارا جال پھیلایا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ میں آپ کی کونٹھ میں صفدر کو قتل کر دوں پھر وہ مجھے وہاں سے نکال لے جانے کے بعد بلیک میل کرے۔ اس صورت میں میری زندگی اور موت اُس کی مٹھی میں ہوتی۔ پھر وہ مجھے اپنے لڑکے سے شادی کرنے پر بھی مجبور کر سکتا تھا۔“

سلیمہ خاموش ہو گئی۔ فریدی حیرت سے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”اچھا لڑکی....!“ وہ تھوڑی دیر بعد اٹھتا ہوا بولا۔ ”تم میری اجازت کے بغیر اگر ایک منٹ کے لئے بھی اس کمرے سے باہر نکلیں تو اپنی موت کی خود ذمہ دار ہو گی۔“

”میں نہیں سمجھی۔“ سلیمہ چونک پڑی۔

”بس اتنا ہی کافی ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”لیکن یہ تو بتاؤ کہ جب وہ پہلی بار تم سے ملا تھا تو تمہیں نواب اختر کا خیال کیوں نہیں آیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اُس وقت بھی اُس کی شخصیت مشتبہ ہی رہی ہو گی۔“

”مجھے خیال آیا تھا۔“ سلیمہ جلدی سے بولی۔ ”اور اگر نہ آتا تو یہ ایک قطعی غیر فطری چیز ہوتی۔ اُس کے ہاتھوں میں دستانے دیکھ کر مجھے نواب اختر کے بغیر ناخن انگوٹھے بے ساختہ یاد آ گئے تھے۔ مگر اُس زمانے میں نواب اختر اتنا بیمار تھا کہ چارپائی سے لگ گیا تھا۔“

”پھر....؟“ فریدی اُسے گھورنے لگا۔

”اب سوچتی ہوں کہ میں نے محض بیماری کی خبر سنی تھی۔ اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اُس نے اپنی بیماری کا جھوٹا پرایکٹنڈا کر لیا ہو۔ یہ چیز ناممکن تو نہیں۔“

”ممکن ہے....!“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔ چند لمحے خلاء میں گھورتا رہا پھر حمید سے بولا۔ ”آؤ چلیں۔ اگر سلیمہ کو اپنی زندگی عزیز ہوگی تو آج رات کو اس کمرے سے باہر قدم نہیں

نکالے گی۔“

وہ دونوں بہت تیزی سے باہر نکلے۔ سلیمہ نے کمرہ بند کر لیا۔ فریدی چند لمحوں کے لئے راہداری میں رک گیا۔ اُس کی نظر سامنے والے کمروں کی قطار پر دوڑتی چلی گئی۔ پھر وہ آگے بڑھ گیا۔ حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس طرح فریدی کے ذہن میں پہچان پڑے۔ اُس کی الجھن بڑھتی جا رہی تھی اور فریدی تھا کہ اپنی دھن میں مست.... پرانی عادت کے مطابق وہ آج بھی اپنے اصول سے ہٹ نہیں سکتا تھا۔ اصول نہیں بلکہ اُسے افتاد طبع کہنا چاہئے۔ وہ ہر کیس کے دوران میں ہمیشہ اُسی لمحے کا منتظر رہتا تھا جب حاضرین کی آنکھیں حیرت سے اُبل پڑنے والی ہوں اور اگر حاضرین مہیا نہ ہو سکیں تو بے چارہ حمید ہی حاضرین کے فرائض انجام دے ڈالے۔

وہ نیچے ڈائینگ ہال میں آئے اور فریدی نے میجر کے کمرے کا رخ کیا۔ وہاں اُس نے اٹھائیس نمبر کا کمرہ ایک فرضی نام سے بک کرایا۔ کلرک نے سامان کے متعلق پوچھا۔ اس پر فریدی نے کہا کہ سامان اسٹیشن ہی پر رہ گیا ہے۔ ابھی منگوا لیا جائے گا۔ اُس نے پیشگی کرایہ ادا کر کے کمرے کی کنجی لی اور وہ دونوں پھر ڈائینگ ہال میں واپس آ گئے۔

”تم کمرے میں جاؤ.... میں ابھی آتا ہوں۔“ فریدی نے حمید سے کہا۔

”کس کمرے میں؟ آخر آپ کرنا کیا چاہتے ہیں؟“

”بکواس مت کرو.... جاؤ۔“ فریدی اُسے کنجی دے کر زینوں کی طرف دھکیلتا ہوا بولا۔

حمید طوعاً و کرہاً زینے طے کرنے لگا۔ حقیقت تو یہ تھی کہ اُسے اب یہ کیس مضحکہ انگیز نظر آنے لگا تھا۔ سلیمہ کی داستان سو فیصدی غپ معلوم ہوتی تھی اور فریدی کا رویہ اُس سے بھی زیادہ مضحکہ انگیز تھا۔ حمید کی دانست میں سب سے زیادہ ضروری امر یہ تھا کہ فریدی سلیمہ کو حراست میں لے لیتا۔ پھر کچھ دنوں کے بعد حقیقت تو کھل ہی جاتی۔ اُسے یقین تھا کہ اس سازش کا اصلی شکار دراصل فریدی ہی تھا اور سازش کا مقصد.... وہ ابھی تاریکی میں تھا۔

تقریباً آدھے گھنٹے تک حمید کمرے میں فریدی کا انتظار کرتا رہا اور یہ بات تو اُسے کمرے کے قریب ہی پہنچ کر معلوم ہوئی تھی کہ کمرہ ٹھیک سلیمہ کے کمرے کے سامنے واقع ہے۔ لیکن اُس نے صحیح معنوں میں یہ عقل مندی کی کہ سلیمہ کو چھیڑا نہیں۔ کمرہ بند کیے چپ چاپ فریدی کا انتظار کرتا رہا۔

آدھے گھنٹے بعد فریدی ایک آدمی کے ساتھ واپس آیا۔ حمید اُسے اچھی طرح پہچانتا تھا۔ یہ شہر کا ایک فرسٹ کلاس مجسٹریٹ تھا۔ اُس کی حیرت اور بڑھی۔ اگر فریدی نے یہ سب کچھ اُس

پُر اسرار آدمی کے لئے کیا تھا تو یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ اُس وقت وہاں آئی جاتا اور پھر اگر اسے سلیمہ کے بیان پر اعتبار ہو تا تب بھی وہ اُسے ایک غیر ضروری اقدام سمجھتا۔ ظاہر ہے کہ سلیمہ اور وہ پُر اسرار آدمی موجودہ حالات میں ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے تھے۔ اس لئے دونوں کو ایک دوسرے کی خبر بھی نہ ہوگی.... پھر یہ سب کیا ہے؟ کسی مجسٹریٹ کو ساتھ لے کر بیٹھنا تو اس بات پر دلالت کرتا تھا کہ فریدی کو اپنے شکار کی آمد کا یقین تھا۔

کچھ دیر بعد مجسٹریٹ کو غسل خانے کی حاجت محسوس ہوئی اور وہ اٹھ کر چلا گیا۔ حمید نے استفہامیہ نظروں سے فریدی کی طرف دیکھا لیکن پوچھنے سے قبل ہی فریدی آہستہ سے بولا۔ ”نکاح بعد میں ہوتا رہے گا فی الحال میں یہ چاہتا ہوں کہ سول میرج ہی ہو جائے۔ اسی لئے مجسٹریٹ صاحب کو تکلیف دی ہے۔“

”کیا مطلب....؟“ حمید بوکھلا گیا۔ فریدی کے چہرے پر بلا کی سنجیدگی تھی۔ فریدی کچھ نہ بولا۔ اتنے میں مجسٹریٹ بھی واپس آگیا حمید کا دل بڑی شدت سے دھڑکنے لگا تھا۔ لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔

تقریباً دو گھنٹے تک وہ اسی طرح بیٹھ رہے۔ پھر اچانک سنان راہداری میں کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ بارہ بج چکے تھے اور قرب و جوار کے کروں کے لوگ شاید سو رہے تھے۔ یکایک کارڈر کی روشنی بھی غائب ہو گئی اور پھر ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی کمرے کے سامنے آکر رک گیا ہو۔

فریدی نے ایکلنٹ کمرے کے دروازے کھول دیئے۔ کمرے کی روشنی ایک آدمی پر پڑی جو سلیمہ کے کمرے کے دروازے پر جھکا ہوا تھا۔ وہ چونک کر پلٹا۔ لیکن فریدی کے ریوالور کی نال اُس کے سینے کی طرف تھی۔ ”خبردار....!“ فریدی آہستہ سے بولا۔

حمید نے اُس آدمی کے ہاتھوں میں سفید دستاں دیکھے۔ ”حمید.... اس کے ہاتھ رومال سے باندھ دو۔“ فریدی نے کہا۔

وہ تینوں باہر آگئے تھے اور انہوں نے اُس آدمی کو گھیرے میں لے لیا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُس کے اوسان خطا ہو گئے ہوں۔

جیسے ہی حمید نے اُس کے ہاتھ باندھنے چاہے اُس نے غیر متوقع طور پر جھک کر اُس کے پیٹ میں ٹکرماری۔ حمید کراہ کر ڈھیر ہو گیا اور وہ اچھل کر بھاگا۔

پھر حمید جلدی سے اٹھ بیٹھا۔ لیکن فریدی کے رویہ کو دیکھ کر اُس کا دل چاہا کہ ابھی اور اسی وقت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پاگل ہو جائے۔ فریدی چپ چاپ کھڑا اُسے بھاگتے دیکھ رہا تھا۔ یکایک کارڈر کے دوسرے سرے پر اندھیرے میں شور ہونے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کئی آدمی ایک دوسرے سے گتہ گتے ہوں۔

پھر کارڈر میں روشنی ہو گئی۔ حمید نے دیکھا کہ تین قوی ہیکل جوان اُس داڑھی والے پُراسرار آدمی کو کھینچتے ہوئے اُن کی طرف لا رہے ہیں۔ کمرؤں کے دروازے کھلنے لگے تھے اور نیند سے چونکے ہوئے لوگ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر انہیں دیکھ رہے تھے۔ سلیمہ بھی دروازہ کھول کر کارڈر میں نکل آئی تھی۔ وہ اب بھی سکھ ہی کے بھیس میں تھی۔

فریدی نے اُس آدمی کو گریبان سے پکڑ کر سلیمہ کے کمرے میں دھکیل دیا۔ ہوٹل کا ڈیوٹی کلرک بوکھلایا ہوا اُن کی طرف آیا۔

”جاؤ....!“ فریدی ہاتھ ہلا کر بولا۔ ”یہاں سے بھیڑ ہٹا دو.... یہ پولیس کیس ہے۔“
پھر سلیمہ کے کمرے کا دروازہ بند ہو گیا۔ داڑھی والا فرش پر اوندھا پڑا ہانپ رہا تھا۔ سلیمہ، حمید اور مجسٹریٹ خاموش کھڑے تھے۔

”سلیمہ اپنے چچا سے ملو....!“ فریدی مسکرا کر بولا۔
”کیا....؟“ سلیمہ کی چیخ ہڈیانی انداز کی تھی۔

”خان بہادر اشرف....!“ فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ”میں تم سے پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ مجرم خواہ سر ہو خواہ کوئی لارڈ.... ایم۔ پی ہو یا کوئی بلا۔ میں بے درلغ رگڑ دیتا ہوں۔“
”نہیں نہیں.... یہ جھوٹ ہے۔“ سلیمہ سسکتی ہوئی بولی۔

باہر راہداری میں اب بھی شور ہو رہا تھا.... کئی بار کمرے کا دروازہ بھی پینا گیا۔ شاید انہیں فریدی کے بیان پر یقین نہیں آیا تھا۔

فریدی نے حمید سے کہا۔ ”ذرا اس کی ڈاڑھی کھینچ دو تاکہ سلیمہ کو یقین آجائے۔“
اچانک زمین پر اوندھے پڑے ہوئے آدمی کے منہ سے ایک ہلکی سی کراہ نکلی اور دیکھتے ہی دیکھتے اُس کے نیچے بہت سا خون پھیل گیا۔

فریدی بوکھلائے ہوئے انداز میں اُس پر جھک پڑا۔ جلدی سے اُسے سیدھا کیا اور سلیمہ کے منہ سے پھر ایک چیخ نکلی۔ پُراسرار آدمی کے سینے میں ایک خنجر دتے تک پیوست تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک سسکتا رہا اور پھر ٹھنڈا ہو گیا۔

وہ تینوں خاموش کھڑے تھے۔ سلیمہ میز پر سر اوندھائیے سسک سسک کر رو رہی تھی۔
راہداری میں بدستور شور ہو رہا تھا اور تھوڑے تھوڑے وقفے سے اب بھی باہر سے دروازہ پیٹا
جانے لگتا تھا۔



تقریباً ڈھائی بجے فریدی کو توالی میں چند اعلیٰ حکام کے سامنے اپنا بیان دے رہا تھا۔ اُس نے
پوری داستان دہراتے ہوئے کہا۔ ”اس طرح اشرف لڑکی کا خاتمہ کرنے کے بعد اُس کی ملکیت پر
بھی قابض ہو جاتا اور پولیس اصل مجرم کی تلاش میں بھٹکتی رہ جاتی۔ میں خود بھی چکر کھاتا رہتا۔
اگر سلیمہ کا نشانہ چوک نہ جاتا۔ اشرف کی اسکیم یہ تھی کہ سلیمہ پر اسرار حالات میں میرے پاس
پہنچائی جائے۔ اور پھر میرے مکان پر بھی حملے کیے جائیں تاکہ مجھے یقین آجائے کہ کچھ نامعلوم
آدمی سچ لڑکی کو اغوا کرنا چاہتے ہیں۔ لڑکی کو اس لئے گونگی بنایا گیا تھا کہ میں حالات کی پیچیدگی
میں الجھتا ہی چلا جاؤں.... اور پھر کسی دن مجھے لڑکی کی لاش ملے۔ یقین کیجئے.... اگر اشرف اس
طرح نہ پکڑا جاتا تو میرے فرشتے بھی اُس کے خلاف کوئی ثبوت مہیا نہ کر سکتے تھے۔ لڑکی کی
موت کے بعد اُس کی لاش کی تصویر اخبارات میں شائع ہوتی تو وہ روٹا پیٹتا ہوا کو توالی میں چلا آتا
اور وہی کہانی سناتا جو اُس نے کل مجھے سنائی تھی۔ اور پولیس ایک بار پھر چکر میں پڑ جاتی۔ دستانوں
کی بناء پر خیال نواب اختر کی طرف جاتا جس کے انگوٹھوں میں ناخن نہیں ہیں۔ لامحالہ یہ خیال پیدا
ہو تاکہ گرمیوں میں دستانوں کے استعمال کا یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ ہاتھوں کی کوئی واضح قسم کی
پہچان چھپائی جاسکے.... اور اشرف کے ہاتھوں میں کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی۔ اُس کے ہاتھ
بالکل ٹھیک تھے۔ بہر حال دستانوں کا استعمال بھی پولیس کو غلط راستے پر ڈالنے کے لئے کیا گیا تھا۔
نواب اختر کے سر کے بال بھی بھورے ہیں اور اشرف نے بھی بھورے ہی بالوں کا استعمال کیا تھا۔
ویسے اُس کے سر پر بال تھے ہی نہیں۔ اس لئے بھیس بدلنے میں اور زیادہ آسانی ہو گئی تھی۔ مگر
میک اپ کی داد دینی پڑے گی کہ اُس کی سنگی جھتکتی بھی نہ پہچان سکی۔ غالباً وہ آواز بدلنے کا بھی ماہر
رہا ہو گا۔“

”مگر وہ ایک بیک ہوٹل میں کیسے پہنچ گیا۔“ کسی نے پوچھا۔

”یہ واقعہ بھی دلچسپ ہے۔ جب میں لڑکی کا بیان لے کر ہوٹل سے باہر نکلا تو میرے ذہن
میں صرف نواب اختر کی تصویر تھی۔ میں نے کل اُس کے ہاتھوں پر پٹیاں بھی بندھی دیکھی تھیں
جن کے لئے اُس نے کہا تھا کہ اُسے اپنے خارش زدہ ہاتھوں سے گھن آتی ہے۔ بہر حال میں نے

ہوٹل سے نکل کر نواب اختر کو فون پر اطلاع دی کہ سلیمہ مل گئی ہے۔ اس پر اُس نے ایک موٹی سی گالی دے کر فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ اُسے لڑکی سے کوئی دلچسپی نہیں۔ اُس نے یہ بھی نہیں پوچھا کہ لڑکی ہے کہاں۔ پھر میں نے خان بہادر اشرف کو فون کر کے بتایا کہ سلیمہ مل گئی ہے اور وہ فلاں ہوٹل کے فلاں کمرے میں ایک سکھ کے بھیس میں مقیم ہے۔ اشرف نے چھوٹے ہی پوچھا کہ میں کہاں سے بول رہا ہوں.... اچانک ایک نئے شے نے میرے ذہن میں سر ابھارا اور میں نے تجربے کی ٹھان لی۔ میں نے اُسے بتایا کہ میں اپنے گھر سے بول رہا ہوں۔ بہت تھک گیا ہوں اور اب سوؤں گا۔ وہ کافی دیر تک فون پر کٹ جیتی کرتا رہا۔ کہنے لگا کہ مجھے اُس کی خاطر تھوڑی سی تکلیف کر کے ہوٹل تک پہنچنا چاہئے۔ لیکن میں نے صاف انکار کر دیا۔ میں نے کہا تم جانو اور تمہاری پاگل بھتیجی جانے۔ پھر میں نے سلسلہ منقطع کر کے اپنے ایک نوکر کو فون کیا اور اُسے ہدایت کر دی اگر کوئی مجھے یا حمید کو پوچھتا ہوا آئے تو اُس سے کہہ دے کہ ہم دونوں تھکے ہوئے سو رہے ہیں اور ہمیں کسی حال میں بھی جگایا نہیں جاسکتا۔ بہر حال اُس سے نپٹ کر میں نے مسٹر بسواس مجسٹریٹ کو جو ہوٹل کے قریب ہی رہتے ہیں سارے حالات سے آگاہ کیا اور انہیں اپنے ساتھ ہوٹل تک لایا۔ مجھے خوشی ہے کہ میرا اندازہ غلط نہیں نکلا.... نوکر سے ابھی کچھ دیر قبل میں نے فون پر معلوم کیا ہے کہ خان بہادر اشرف فون کرنے کے ٹھیک پندرہ منٹ بعد میری کوششی پر پہنچا تھا.... لیکن نوکروں نے وہی دہرایا جس کے لئے انہیں ہدایت کی گئی تھی۔“

ضابطے کی کاروائیوں کے اختتام پر فریدی اور حمید گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔

”یہ آپ نے بہت اچھا کیا۔“ حمید پاپ سلگاتا ہوا بولا۔ ”میں ڈر رہا تھا کہ کہیں آپ شاہینہ کی بلیک میلنگ والا واقعہ بھی نہ دہرا چلیں۔“

”وہ ایک بالکل الگ چیز تھی۔ وہ تو محض مجھے اُلو بنانے کے لئے کیا گیا تھا تاکہ مجھے یقین آجائے کہ وہ بڑا سرا ر آدمی بلیک میلر بھی ہے یعنی وہ خان بہادر اشرف نہیں ہو سکتا۔ بھلا اشرف کسی کو بلیک میل کیوں کرنے لگا۔ اُسے اگر دلچسپی ہو سکتی ہے تو صرف اپنے بھائی کی جائیداد سے۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”اُس نے بڑی ذہانت سے اپنا لائحہ عمل مرتب کیا تھا۔ کھیل صفدر نے بگاڑ دیا۔ اگر وہ سلیمہ کی گولی سے مر جاتا تو.... ہم اس نتیجے پر نہ پہنچتے۔ ہم اُس پر اسرار آدمی کو دو حیثیتوں سے تلاش کرتے۔ ایک حیثیت سلیمہ کے ہمدرد کی ہوتی اور دوسری حیثیت ایک بلیک میلر کی۔ ہم اسی میں الجھتے رہ جاتے اور وہ اپنا کام کر گذرتا.... یعنی سلیمہ کا قتل.... صفدر اور شیکھر کو تو وہ ہر حال میں

ٹھکانے لگا دیتا.... تاکہ وہ بھی اُس کی کہانی سنانے کے لئے زندہ نہ رہیں۔“
 ”پہلے میں یہ سمجھ رہا تھا کہ ہمارے کسی دشمن نے ہمارے خلاف کسی سازش کا جال پھیلایا ہے۔“ حمید نے کہا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ پھر حمید نے پوچھا۔ ”وہ تینوں آدمی کون تھے جنہوں نے ہوٹل کی راہداری میں اُسے پکڑا تھا۔“

”وہ میری بلیک فورس کے تین سپاہی تھے۔ میں نے انہیں ابھی فون کر کے بلا لیا تھا۔“
 ”آہا.... خوب یاد آیا.... اور وہ لڑکی.... جو سلیمہ کا تعاقب کر رہی تھی.... کتنی اسکرٹ والی۔“

”حمید صاحب.... اُس کا تعلق بھی میری بلیک فورس سے ہے۔“
 ”کیا....؟“ حمید بے ساختہ اچھل پڑا۔

”جی ہاں.... اُس میں ایک نہیں کئی لڑکیاں ہیں۔“
 ”ارے تو پھر مجھے بھی شامل کر لیجئے نا اپنی بلیک فورس میں ہائے ہائے۔“ حمید سینہ پیٹتا ہوا بولا۔

”بلیک فورس میں سرکاری آدمی نہیں لیے جاتے۔“
 ”بھلا کیوں لیے جانے لگے۔“ حمید طنزیہ لہجے میں بولا۔ ”کیونکہ ایک سرکاری آدمی اُس غیر سرکاری فورس کا بلیک کرئل ہے اور غیر سرکاری لڑکیوں پر دست شفقت پھیرتا ہے۔ کیونکہ سرکاری طور پر تو لڑکیاں سپلائی ہونے سے رہیں.... ہاہا.... زندہ باد.... بھلا آپ کیوں نہ شادی سے متنفر رہیں.... جسے چھپڑ پھاڑ کر ملتی ہوں اُسے شادی کی کیا ضرورت.... ہاہا.... پاگل ہے.... حمید سالہا.... پاگل ہے۔“

چچ حمید پاگلوں ہی کی طرح غل غپاڑہ بچانے لگا اور فریدی نے بایاں ہاتھ اُس کی گردن میں دے کر منہ دبایا۔

ختم شد